مطبوعات جدیدہ

فہرست نسخہ ہائے خطی کتابخانہ گنج بخش جلد اول و دوم مرتبہ، جناب احمد منزوی صاحب تقطیع کلاں، کاغذ بہتر، طباعت ٹائپ، مجموعی صفحات ۰۰... مجلد قیمت درج نہیں

پتہ:۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد،

فارسی زبان وادب کی خدمت اور اس سے متعلق علوم کی اشاعت کی غرض سے اسلام آباد میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے، اس کی شائع کردہ "کتاب خانہ ہائے پاکستان" کا چند ماہ قبل ان صفحات میں ذکر آچکا ہے، یہ کتاب بھی اسی مرکز نے شائع کی ہے، اس میں کتاب خانہ گنج بخش کے مخطوطات کی فہرست مع تعارف درج ہے یہ کتب خانہ مشہور بزرگ حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش (م ۴۶۵ھ) صاحب کشف المحجوب کے نام نامی پر قائم کیا گیا ہے فہرست کی پہلی جلد دس اور دوسری چھ حصوں پر مشتمل ہے، دونوں جلدوں میں حسب ذیل فنون کی کتابوں کا ذکر ہے، تفسیر، تجوید، علوم قرآن، ریاضی، موسیقی، نجوم، طبیعیات، کیمیا، طب، علوم تجربی، منطق، فلسفہ، فرق، مذاہب، کلام و عقائد، تصوف اور فلسفہ عملی، پہلی جلد میں تین اور دوسری میں ایک مفصل فہرست دی گئی ہے، ان فہرستوں میں ہر مصنف کے نام کے تحت ان کی ان تمام کتابوں کے نام تحریر کئے گئے ہیں جن کا کتاب میں کہیں ذکر ہوا ہے، تعارف میں مخطوطات کے موضوع، ابواب اور ان کے مباحث کا خلاصہ اختصار کے ساتھ درج ہے، اور جن کے مصنفین کے نام کا پتہ چل سکا ہے، ان کا نام ذکر کرکے ان کے متعلق مختصر معلومات بھی پیش کئے گئے ہیں، ان دونوں جلدوں میں مختلف فنون کے ۱۲۶۷ فارسی مخطوطات کا ذکر ہے، اس فہرست کی اشاعت پر مرتب اور ناشر دونوں تحسین کے مستحق ہیں،

جلد ۱۲۸ ماہ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۸۱ء عدد ۴

مضامین

شذرات

اپنے اس عزیز مادرِ وطن میں قومی بہاؤ کا جب مسئلہ اٹھتا ہے تو یہاں کا بعض انتہا پسند طبقہ مسلمانوں پر یہ الزام رکھتا ہے کہ وہ اس ملک کے خیر خواہ اور وفادار نہیں،

یہ الزام تراشی کسی نیک نیتی اور وطن دوستی پر مبنی ہونے کے بجائے مسلمانوں سے اعصابی جنگ کرنے اور اُن کو ذہنی حیثیت سے مفلوج رکھنے کی خاطر کی جاتی ہے، ایسے الزام رکھنے والے خود اپنی وطن دشمنی اور ملکی بدخواہی پر پردہ ڈالنے کی بھی کوشش کرتے ہیں، اور قوموں کو وطن سے محبت تو ملکی مصالح کی بنا پر ہوتی ہے لیکن مسلمانوں کی وطن دوستی میں خالص مذہبی عقیدہ کو دخل ہے، ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے کہ وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے، اس کے علاوہ مسلمانوں کو ہندوستان سے مذہبی لگاؤ اس خیال کی وجہ سے بھی ہے کہ حضرت آدمؑ بہشت سے اسی سرزمین پر اتارے گئے، اور چونکہ نورِ محمدیؐ حضرت آدمؑ کی پیشانی میں امانت تھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اسی سرزمین میں ہوا اسی لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سرزمین سے ربانی خوشبو آتی ہے،

مسلمان یہاں جب سے آئے، اس وقت سے اب تک ان کے تاریخی ادبی اور شعری لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو اس میں ہندوستان سے بے پناہ شیفتگی اور وارفتگی کے جذبات کا ایک بے بہا خزانہ بھرا ملے گا، تیسری چوتھی صدی ہجری میں ایک ہندوستانی ابو ضلع سندھی نے عرب میں بیٹھ کر عربی زبان میں یہ وطنی گیت گایا کہ اس سرزمین میں دودھ، موتی اور یاقوت اُگتے ہیں، اُس کی

خاص چیزوں میں مشک، کافور، عنبر، جائے پھل، سنبل، صندل، طرح طرح کے عطریات، ہاتھی دانت، ساگون، توتیا کے پہاڑ، ناریل، آبنوس، سیاہ مرچوں کے درخت ہیں، ہتھیاروں میں تلواریں ہیں جن کو کبھی صیقل کی حاجت نہیں، تو کیا بے وقوف کے سوا کوئی اور بھی ہندوستان کی خوبیوں سے انکار کر سکتا ہے؟

تاج المآثر کا مصنف حسن نظامی نیشاپور کا رہنے والا تھا، وہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوگیا، یہ شہر اس کو اس قدر پسند آیا کہ اس کو ہندوستان کا ام البلاد کہنے لگا، ایک موسم بہار میں وہ لاہور گیا تو راوی کے کنارے کھڑے ہو کر وہاں کے موسم سے ایسا متاثر ہوا کہ اپنے اشعار میں کہتا ہے کہ اس کی مٹی میں آذر کے سینکڑوں اثرات دکھائی دے رہے ہیں، اس کی ہوا سوسن اور گلاب سے چاندی اور سونے حاصل کر رہی ہے، اس میں مصور مانی کے سینکڑوں نقشے نظر آرہے ہیں، اس میں دمِ عیسیٰ ہے، اس کی نسیم سحری زندگی میں روح پھونک رہی ہے اور زمردیں جام میں مستانہ بلبل کو صبح کی شراب پیش کر رہی ہے،

سدید الدین عوفی نے لباب الالباب اور جوامع الحکایات شمس الدین التمش کے عہد میں مرتب کیں، تو ان میں رقمطراز ہے کہ اس ملک کے ادنیٰ شہری قیصر و کسریٰ اور تاتاری چین کے خان سے بہتر ہیں،

اسی زمانہ میں طبقات ناصری کے مصنف منہاج سراج نے دہلی کو مہبطِ جمالِ آفاق کہا،

امیر خسرو کے اشعار اور نثری تحریریں تو وطن دوستی کا راس المال ہیں، وہ یہاں کی سرزمین کے ساتھ اس کے پھولوں، پھلوں، پرندوں، جانوروں، حسین اور نمکین عورتوں کا راگ الاپنے میں مطلق نہیں تھکتے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں حکمت ہے، دانائی ہے، علم ہے، ہنر ہے، وہ دہلی کے لوگوں سے ایسی محبت کرتے کہ ان کو فرشتہ صفت اور جنت والوں کی طرح خوش دل اور خوشخو سمجھتے، پھر اس کو عدن کی جنت اور باغِ ارم قرار دے کر لکھتے ہیں کہ اس بوستان کا قصہ سن کر مکہ بھی ہندوستان کا

طواف کرے، اور اس کی شہرت سُن کر مدینہ بھی بہرہ ہو جائے، اپنی غایت محبت میں اس کی گرم ہوا کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ آفتاب کو یہاں سے عشق ہے، اس عشق کی گرمی سے یہاں کی ہوا بھی گرم ہوگئی ہے، اپنی مثنوی نہ سپہر میں وارفتہ ہو کر پکار اٹھتے ہیں، ع:۔ کشور ہند است بہشتے بزمیں،

امیر خسرو کے قلبی دوست امیر حسن سجزی دہلی کو حسینوں کا شہر اور حوروں کی بہشت سمجھتے تھے، وہ دہلی چھوڑ کر دولت آباد میں آباد ہوگئے، تو اس کے لئے دعا کرتے رہے کہ اس کو وہی سب کچھ حاصل ہو جو آسمان کو ہے، چودھویں صدی عیسوی میں عصامی ایک بہت مشہور شاعر گزرا ہے، وہ دہلی ہی میں پیدا ہوا مگر اپنے خاندان کے ساتھ دولت آباد چلا گیا تو وہاں حسن شاہ بہمنی کے دربار سے وابستہ ہوگیا، یہیں اس نے ۱۳۵۰ء میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کا ایک شاہنامہ فتوح السلاطین کے نام سے لکھا، اس میں والہانہ انداز سے ہندوستان کی مدح بھی کرتا جاتا ہے،

وہ کہتا ہے کہ ہندوستان کی رونق کیسی اچھی ہے اس بوستاں پر جنت کو بھی رشک آتا ہے، اس کی سرزمین تمام دنیا کے لئے زینت ہے، اسی طرح جیسے نازنین کے رخسار پر تل ہو، یہاں قدم قدم پر ندیاں ہیں جن کا پانی آب حیات سے بھی زیادہ بہتر اور صحت مند ہے، یہاں کے موسم خزاں میں بہار کا لطف آتا ہے، یہاں اگر کانٹا بھی بویا جاتا ہے تو پھول اُگتا ہے، اس کی ساری مٹی میں گلاب ملا ہوا ہے، اس کی مٹی پر شبنم بادل ہی کی طرح اتر کرتی ہے، یہ میووں اور پھولوں کی سرزمین ہے، جو درختوں کی شاخوں سے ٹھنڈی اور سایہ دار رہتی ہے، اس کی خاک بوئے گل سے معطر اور اس کا پانی گلاب سے معطر ہے، انسانیت کی اصل اسی کی خاک سے قوی ہوتی ہے جو کوئی بھی اس بوستان طرب میں عراق عجم اور عرب سے آتا ہے اس کا دل اس اچھے ملک میں ایسا لگتا ہے کہ اپنا مولد اس کو بہت کم یاد آتا ہے اس ملک سے اس کو ایسا لگاؤ ہو جاتا ہے کہ اس کی جان بھی جائے تو وہ دل گیر نہیں ہوگا،

فیروز شاہی عہد کا ایک مشہور شاعر مطہر کڑہ فیروز شاہ کے ساتھ ٹھٹھہ (سندھ) گیا تو اس کو دیکھ کر کہتا ہے

کہ یہ شہر نہیں ہے ایک آراستہ پیراستہ بہشت ہے، جہاں حوریں ہیں بلبلیں ہیں، ہزاروں نہریں ہیں اس کا پانی گلاب اور زمین خالص چاندی کی طرح ہے اس کا ہر منظر روح افزا ہے، اس کی نسیم میں مشک کی خوشبو ہے،

اکبری دربار کے ملک الشعراء فیضی نے مثنوی نل دمن قلبند کی تو رقمطراز ہے کہ وہ اس کو لکھ کر بزم عشاق میں ناز و نیاز کے سیکڑوں تحفے پیش کر رہا ہے جس کو پڑھکر لوگ محسوس کریں گے کہ اس سرزمین میں عشق و عاشقی کے سرمست عشق کی راہ میں دل و جگر برباد کر کے کس طرح آتش عشق کے خاکستر بن کر رہ گئے ہیں، وہ یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ ہندوستان میں جیسا جذبۂ عشق ہوتا ہے کہیں اور نہیں، اس کی خاک کا ذرہ ذرہ آفتاب ہے، اور ہر ذرہ نہ سپہر کا چراغ ہے، یہاں کے عشق کی نیاز گرمی ہی کی وجہ سے یہاں کے آفتاب میں بھی گرمی پیدا ہوتی ہے،

فیضی اکبر کے ساتھ کشمیر گیا تو اُس کی رعنائی اور دل آویزی دیکھ کر مست ہوگیا، ایک طویل قصیدہ میں کہتا ہے کہ اس کی ہوا میں ایک نقاش کی خیال آرائی کا تنوع ہے، اس کی سرزمین میں صفحۂ تصویر کی رنگا رنگی ہے، اس کی فطری بوقلمونی اور نقاشی کارخانۂ قدرت کے عجائب میں سے ہے اس کا غبار آنکھوں کی دوا ہے، اس کی رگ رگ روح کے لئے اکسیر ہے اس کا پانی بدن کے لئے ایسا ہے جیسا گلاب اور اس کی شراب ہو، اس کی ہوا روح کے لئے ایسی ہی ہے جیسے دودھ کے لئے شکر ہو، اس کی نسیم سحر کے مقابلہ میں دم عیسیٰ بھی مسموم ہے، اس کے آب رواں کے نزدیک زلال خضر بھی تالاب کا محض جما ہوا پانی ہے، اس کے پانی میں ارغنوں کی صدا سنائی دیتی ہے، اس کی صندلی زمین کافوری برف سے نم رہتی ہے، اس میں گلاب و عنبر کی بھی آمیزش ہے، یہاں گھاس کے بجائے زعفران ہوتا ہے، اس کی مٹی میں بھی تاثیر ہے، قدرت کی فیاضی سے یہاں ہزاروں چشمے ابلتے ہیں، ہر جگہ قدرت ازلی کی صناعی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، وغیرہ وغیرہ فیضی کی طرح ابوالفضل، عرفی، جہانگیر، حاجی جان محمد قدسی، ظفر خاں احسن، طاہر آشنا، میر صیدی، طرانی اور ان گنت شاعروں اور ادیبوں نے کشمیر پر ایسی نظمیں، مثنویاں اور ایسی تحریریں لکھیں کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کون زیادہ سے زیادہ اس پر فریفتہ رہا،

ابوالفضل نے ہندوستان کے ہر علاقہ اور اس کی کسی نہ کسی چیز کے بارہ میں اپنی کچھ نہ کچھ اچھی رائے

لکھی ہے، مثلاً بنگال کے متعلق لکھتا ہے کہ یہاں آم کے درخت خوب پھلتے ہیں، اس کی پیداوار میں چاول کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں، اگر ہر قسم کے چاول کا ایک ایک دانہ چن کے اکٹھا کیا جائے تو ایک بڑا برتن ان دانوں سے بھر جائے گا، یہاں کی چھالیہ چبانے سے لب سرخ ہو جاتے ہیں، اڑیسہ کی آب و ہوا معتدل اور خوشگوار اور اس کا موسم بہت اچھا ہوتا ہے، الہ آباد کا موسم بھی صحت بخش ہے، جہاں مختلف قسم کے پھول ہوتے ہیں، اس کے قصبہ نودھا میں ہر خاص و عام اپنے حسن و جمال میں یگانۂ روزگار ہے، اودھ کی زراعت اس کی خوشگوار آب و ہوا کی وجہ سے بہت عمدہ ہوتی ہے، یہاں کے چاول کی قسموں میں سکھداس جھنوا اور سفیدی خوشبو نزاکت اور ذائقہ میں بے مثل ہوتے ہیں، مالوہ میں دو دو تین تین کوس کے فاصلے پر صاف اور نفیس چشمے بہتے ہیں، جن کے دونوں کنارے سنبل کے خودرو اور سایہ دار درختوں کی قطار اور سرخ و سیاہ رنگ کے خوشنما پھولوں کی بیل کے دلکش مناظر ہیں، جھیل اور چراگاہیں بھی بکثرت ہیں، بلند اور عالیشان عمارتوں کی وجہ سے یہ صوبہ رشک عدن ہے،

خاندیس کے متعلق ابوالفضل لکھتا ہے کہ یہاں عمدہ قسم کے چاول پھل، اور پان بکثرت ملتے ہیں، کپڑے اعلیٰ قسم کے بنے جاتے ہیں، برار کی زراعت بہت اچھی ہوتی ہے، گجرات میں نقاش، درکن اور دوسرے پیشے والے بکثرت ہیں، جو روم، فرنگ، ایران اور توران کے کپڑوں کے بہت عمدہ نمونے تیار کرتے ہیں، اس کا شہر احمد آباد بہت خوبصورت اور آباد ہے، صوبہ اجمیر میں بے شمار قلعے ہیں جن میں اجمیر، جودھپور، جیسلمیر، امرکوٹ، ابوگڈھ اور جالور کے قلعے بہترین شمار کئے جاتے ہیں، صوبہ لاہور کی آب و ہوا بہت اچھی ہے، اس کی زمین کھیتی کے لئے بے نظیر ہے، شہر لاہور میں بے شمار بلند اور عمدہ محل، اور دلکشا باغات ہیں، اس کے باشندے طرح طرح کے ہنر جانتے ہیں، آبادی اور وسعت کے لحاظ سے اس شہر کی خوبیوں کا اندازہ کرنا مشکل ہے،

طالب آملی ایران سے ہندوستان یہ کہکر آیا کہ اس کا بخت سیہ ایران ہی میں پیچھے چھوٹ جائیگا

اور ایسا ہی ہوا، وہ جہانگیر کے دربار کا ملک الشعراء بنایا گیا، اسی زمانہ میں مرزا صادق نے بنگال کے متعلق لکھا کہ یہاں اتنے پھول ہوتے ہیں کہ ایران کے بادشاہ پشنگ کے لڑکے کا خزانہ معلوم ہونے لگتا ہے، اس کے لئے دریائے گنگا ایسا ہی ہے جیسے خزانے کے لئے اژدہا ہو، ایک اور شاعر قائم منیجہ تو بنگال کے بارہ میں یہاں تک لکھ گیا کہ جو کوئی بنگال کے سبزہ زار سے لطف اٹھا چکا ہو وہ اگر جنت کی خواہش کرتا ہے تو وہ دوزخی ہے، یہ تعریف تو کفر کی حد تک ہے،

برہان پور کے بارہ میں مآثر رحیمی کے مصنف نے لکھا کہ یہاں ماہ و مشتری برج آسمان سے اترتے دکھائی دیتے ہیں، اس کے باغات میں معشوق کی کلیوں کا لطف ملتا ہے، شاہجہانی دور کے ملک الشعراء کلیم نے ہندوستان کو ماوائے عشرت اور اقلیم راحت قرار دیا، وہ اکبر آباد کی شان و شوکت سے متاثر تھا، اس کے باغات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ان میں جب چمپا کھلتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ شعلۂ بے دود دکھائی دے رہا ہے، اس نے اس شہر کے دھوبیوں، تنبولیوں، بزازوں، اور طبیبوں پر بھی اچھے اچھے اشعار کہے، شاہجہانی دور ہی کے ایک شاعر بینش کشمیری نے پنجاب، لاہور، دہلی اور بنارس پر بہت ہی دل آویز اشعار کہے ہیں، بنارس کے متعلق لکھتا ہے کہ محبت میں یہاں کی عورتیں زلف لیلیٰ اور مرد زنجیر مجنوں ہیں، وہ بنارس کو ہندوستان کے گلستان کا سنبلستان قرار دیتا ہے، علی حزیں تو پری رخانِ بنارس کے صد کرشمہ و رنگ کے فریفتہ رہے، غالب بنارس کو بہشت خرم اور فردوس معمور سمجھتے رہے، اس کے غبار کو روح کا جوہر اور آسمان کی شفق کی رنگینی کو اس کا تلک بتایا ہے، وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ بنارس ایک معشوق ہے، گنگا اس کا آئینہ ہے، جس سے وہ اپنی آرائش صبح و شام کرتا رہتا ہے، اور اس پری چہرہ کا عکس فلک پر سونے کے سورج میں پڑتا رہتا ہے،

حالی یہ کہہ گئے ہیں کہ ہندوستان کے باغوں کی فضاؤں کی وجہ سے ہم سمرقند و دمشق

اور اصفہان کے شہب کو بھول گئے، گنگا جل نے ہمارے کام و دہن تر کئے، تو جیحون، دجلہ اور فرات کی یاد جاتی رہی، یہاں کے نیشکر کی خاطر بصرہ اور طائف کے نارستان اور خرمستان ذہن سے جاتے رہے، یہاں کی فصلِ گل دیکھ کر مرو اور شیراز کے چمن بھلا دیئے گئے، یہاں کے پہاڑوں کو دیکھ کر نہر رکنا باد و گلگشتِ مصلّی کا سمان جی سے اتر گیا،

ہندوستان سے مسلمانوں کی شیفتگی کے جذبات کی انتہائی ترجمانی اقبال نے یہ کہہ کر کی

ع: سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا۔ اور پھر انھوں نے ایک گیت میں بچّوں کو اس پر فخر کرنا سکھایا کہ یہی سرزمین ہو جہاں چشتی نے پیغام حق سنایا تو اسی چمن میں نانک نے وحدت کا گیت گایا، اسی کو تاتاریوں نے اپنا وطن بنایا، اسی نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا، اسی نے یونانیوں کو حیران کر دیا تھا، اسی نے سارے جہان کو علم و ہنر دیا، اس کی مٹی میں حق نے سونے کا اثر دیا ہے، یہیں نوحؑ نبی کا سفینہ آکر ٹھہرا، اس کی زمین کی رفعت بام فلک کا زینہ ہے، اس کی فضا میں جینا جنت کی زندگی ہے، اور جب اقبال شاعر اسلام ہوئے تو اپنے آخری وقت میں یہ بھی کہا کہ یہ ملک خاور یعنی مشرق کی امیدوں کا مرکز ہے، انھوں نے خود اپنے اشکوں سے اس کو سیراب کیا ہے، اس کی خاک سے وہ پروین کی چشم روشن ہے، اس کا خزف در ناب ہے، اس کی خاک سے غواص معانی اٹھتے رہتے ہیں،

عربی فارسی اور اردو میں مسلمانوں نے اس قسم کی وطنی شیفتگی کے جتنے جذبات کا اظہار کیا ہے اور تحریک آزادی کے سلسلے میں جتنی ولولہ انگیز اور پر جوش نظمیں کہی ہیں، اُن کو یک جا کر دیا جائے تو ہندوستان کی اور دوسری زبان کے بولنے والوں کے وطنی جذبات کا لٹریچر بالکل ہی ماند پڑ جائے گا،

ع:- پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

مقالات

حکیم سنائی کے قصائد اور اسلامی افکار و عقائد

از پروفیسر نذیر احمد، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

(۳)

حکیم سنائی کے دور میں معاشرہ جس اخلاقی انحطاط سے دوچار تھا، اس کا ذکر ان کے اکثر قصیدوں میں تفصیل سے ملتا ہے، ایک قصیدہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

پادشا را ز پے شہوت و آز   رخ بہ سیمیں بر و سیمیں صنم است

امرا را ز پے ظلم و فساد   دل بزور و زر و خیل و حشم است

فقہا را غرض از خواندنِ فقہ   حیلۂ بیع ربا و سلم است

علما را ز پے وعظ و خطاب   جگر از بہر تعصب بدم است

صوفیان را ز پے راندن کام   قبلۂ شان شاہد و شمع و شکم است

زاہدان را ز برای زہ و زہ   قل ہو اللہ احد دام و دم است

حاجیان را ز گدائی و نفاق   ہوس و ہوش بطبل و علم است

غازیان را ز پے غارت و سہم   قوت از اسپ و سلاح و خدم است

فاضلان را ز پے لافِ فضول   روئے و رنج و جر و جزم و ضم است

ادبا را ز پے کسبِ لجاج   اند نصب لن و جزم لم است

متکلم را ز راہِ خیال — عمِ اثبات حدوث و قدم است

مرد طب را زپے خلعت و نام — ہمہ اندیشۂ او بر سقم است

مرد دہقاں از پے کسبِ معاش — از ستور و زر و خرمن خرم است

خواجۂ معطی زپے لاف و ریا — تازہ از مدحت دلبران نوم است

باز سائل را در ہر دو جہاں — دو زخش لا و بہشتش نعم است

ہمگاں شعبۂ صید اند و حرام — کو کسے کز پے حق در حرم است

ایں ہمہ مشغلہ و رسم ہوس — طالبان رہ حق را صنم است

ہمہ بگذشتہ و غدر ہمہ ایں — گر بدم من نہ فلاں نیز نہ ہم است

ایں ہمہ بیہدہ دانی کہ چراست — زانکہ بوالقاسمِ[1] شان بوالحکم است

(دیوان ص ۸۱)

آخر سے پہلی بیت پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ لوگ اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ ان میں برائی نہیں بلکہ اگر وہ برا ہے تو دوسرا بھی تو برا ہے، سنائی کے نزدیک اس تمام اخلاقی بدحالی کی وجہ یہ ہے کہ وہ دین کی روح سے ناواقف ہو چکے ہیں، وہ راہِ سنت سے ہٹ گئے ہیں، وہ وہی کر رہے ہیں جو ابوجہل کا وطیرہ تھا[2]

قرآن کے بارے میں حکیم سنائی نے دلچسپ خیالات کا اظہار کیا ہے۔

قرآن ایک حسین دلھن ہے جس سے وہی لوگ بہرہ ور ہو سکتے ہیں جن کا دل مکروہات دنیا سے

---

[1] ابوالقاسم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب اور ابوالحکم ابوجہل کا ابتدائی لقب تھا۔

[2] شکایت و بے وفائی روزگار کا مشہور قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

مسوخ شد مروت و معدوم شد وفا — زیں ہر دو ماندہ نام چو سیمرغ و کیمیا

(دیوان ص ۴۸)۔

پاک ہے، قرآن کا چہرہ دیکھنے کے بعد عاشقِ دین ذکر الٰہی میں مستغرق ہو جاتے ہیں:

عروس حضرت قرآن جمال آنگاہ بگشاید — کہ دارالملکِ ایماں را مجرد بیند از غوغا

عجب نبود گر از قرآن نصیبت نیست جز نقشے — کہ از خورشید جز گرمی نہ بیند چشمِ نابینا

(ص ۵۲)

ببینی بے نقاب آنگہ جمالِ چہرۂ قرآں — چو قرآن روی بنماید زبانِ ذکر گویا کن

(ص ۴۹۵)

قرآن خدا کی رسی ہے، جس کے سہارے چاہِ ادبار سے نکل سکتے ہیں، اس خیال کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا ہے، مثالیں درج ذیل ہیں:

گرد قرآں گرد زیرا ہر کہ در قرآں گریخت — آں جہاں رست از عقوبت ایں جہاں رست از فتن

چوں ہمی دانی کہ قرآں را رسن خواندہ است حق — پس تو در چاہِ طبیعت چند باشی با وسن

چرخ گرداں ایں رسن را می رساند تا بہ چاہ — گر ہمی صحرات باید چنگ در زن در رسن

گرد سمِ اسپ سلطانِ شریعت سرمہ کن — تا شود نورِ الٰہی با دو چشمت مقترن

گر عروسِ شرعِ او از رخ براندازد نقاب — بے خطا گردد خطا و بے خطر گردد ختن

(ص ۴۸۸)

سنائی کے یہاں قرآن کا اثر مختلف انداز سے ملتا ہے، انھوں نے ایک قصیدہ میں جو حضور کی مدح میں ہے، سورۂ 'واللیل' کی تفسیر نظم کر دی ہے، اس کے چند شعر اوپر درج ہو چکے ہیں، قرآن میں قدیم قوموں کے عبرتناک انجام کا ذکر کر کے لوگوں کو متنبہ کیا ہے، مثلاً ایک جگہ آیا ہے اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ قَرْنٍ الخ، سنائی اس مفہوم کو یوں ادا کرتے ہیں:

در جہاں شاہاں بسے بودند کز گردوں ملک — تیر شاں پر دین کسل بودست نشان جوز اکنا

بنگرید اکنوں بنات النعش وار از دست مرگ نیزہاشان شاخ شاخ و تیرہاشان تار تار

سر بخاک آورد امروز آنک افسر بود دے تن بہ دوزخ برد امسال آنک گردن بود پار

(ص ۱۸۳)

یوں تو سنائی کے دیوان کا معتدبہ حصہ قرآن کی تفسیر ہے، اور اس کے جائزے کے لیے بڑی دقت نظری درکار ہے، لیکن جہاں تہاں واضح نشان ملتے ہیں، ان کا ذکر کر دیا گیا ہے، ایک قصیدہ کے سارے قوافی قرآنی کلمات ہیں، یہ قصیدہ طویل ہے، صرف چند ابیات نقل کیے جاتے ہیں:

اے منزہ ذاتِ تو عما یقول الظالمون گفت علت جملہ را ما لم تکونوا تعلمون

چوں منزہ باشد از ہر عیب ذاتِ پاکِ تو جائے استغفار شاں باشد وہم یستغفرون

امر امر تست یارب با پیمبر در نبی گفتۂ ان ابرموا امراً فانّا مبرمون

گوش حس باطنم گر باد اگر نشنودہ ام بانداے ارجعی کلٌّ الینا یرجعون

در ازل ماں گفتۂ لا تقنطوا من رحمتی دیگراں را گفتۂ منہم اذا ہم یقنطون

دوسری آیات و فقرات جو نظم ہوئے ہیں، وہ اس طرح پر ہیں:

نسارع لہم فی الخیرات بل لا یشعرون، ہذا الذی کنتم بہ تستعجلون، مما یکسبون، انا الیکم مرسلون، آمنا برب العالمین، انا لنحن الغالبون، وہم لا یخلقون، وہم لا ینصرون، وہم لا یسمعون، وانتم تکفرون، وکانوا یعبدون، وہم لا یہتدون، وما یجمعون، فیہا خالدون، وانتم معرضون، کنتم تکتمون، اِلّا وانتم مسلمون، انہم لا یذکرون، ما تشتہون، مما یعرشون، انہم لا یعجزون، فہم لا یؤمنون، فہم لا یتقون، فہم لا یشکرون، لیفعلوا ما یؤمرون، وہم لا یحزنون، وہم لا یظلمون، انا عاملون۔ اور آخری بیت یہ ہے ؎

شعر بخواں انّا تبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون

(ص ۵۳۴ - ۵۳۶)

حکیم سنائی سچے دیندار مسلمان تھے، روزہ کا بڑا اہتمام کرتے، اس کے گذرنے پر ان کو قلق ہوتا، ان کے دیوان میں ایک قطعہ ہے، جو ماہ رمضان کے ختم پر نظم ہوا تھا، چند شعر ملاحظہ ہوں:

اے ماہِ صیام ارچہ مرا خود خطرے نیست حقا کہ مرا ہمچو تو مہمان دگرے نیست

از درد تو اے رفتہ بناگہ ز برِ ما یک زاویۂ نیست کہ پرخوں جگرے نیست

آں کیست کہ از ہجر تو یک قطرہ بنارید کاں قطرہ کنوں در صدف دیگہرے نیست

اے وائے براں کز غم وقت سحرِ تو او را بجز از وقتِ صبوحی سحرے نیست

بسیار تو آئی و نہ بینی ہمہ را زانک ما بر گذریم از تو ترا خود خبرے نیست

آں دل کہ ہمی ترسد از شعلۂ آتش واللہ کہ بجز روزہ مر او را سپرے نیست

بس کس کہ چو ما روزہ ہمی داشت ازیں پیش امروز بجز خاک مر او را مقرے نیست

اے وادہ بباد ایں مہ با برکت و با خیر ما نا کت ازیں آتش در دل شررے نیست

اشکے دوسہ امروز دریں بقعہ فرو بار کاندر چمن عمر تو زیں بہ مطرے نیست

(دیوان ص ۹۹)

اب میں ایک قطعہ کے چند شعر نقل کرنا چاہتا ہوں، جو سنائی کے دینی افکار کا نچوڑ ہے، اس کی ایک تاریخی اہمیت بھی ہے، سیف الدین باخرزی (متوفی ۶۵۹ھ) کا ایک قول فوائد الفواد حضرت نظام الدین اولیاؒ سے نقل ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ میں سنائی کے ایک قصیدہ کا مسلم کردہ ہوں:

(۱) شغل سرہنگان دین از مرد متواری مجوے   سیرتِ ابرار را در طبعِ اضراری مجوے

(وہ آدمی جو خلق سے گریزاں ہو، وہ دینی سپاہی نہیں بن سکتا، جس کی طبیعت میں ایذا رسانی ہو، وہ اگر سیرتِ ابرار کا دعویٰ کرے تو غلط ہے)

(۲) از ہوائے فقر مرداں کاخِ فغفوری مخواہ   در سرائے سوز سلمانؓ تختِ جباری مجوے

(مردانِ خدا کو کاخِ فغفوری سے کیا مناسبت، اور سلمانؓ کو جو دردِ عشق میں جلتے تھے، شان و شوکت سے کیا تعلق؟)

(۳) در میانِ دو گداں لافِ ہر تر دامنی   نیزہ و گرز و کمان و تیر عیاری مجوے

(ہر دعویدار میدانِ دین کا سپاہی نہیں ہو سکتا،

... ...

(۴) خصلتِ بوذرؓ نداری گامِ دیں داری منہ   قوتِ حیدرؓ نداری نامِ کراری مجوے

(ابو ذر غفاریؓ کی خصلت کے بغیر دین کی راہ میں کامیابی ممکن نہیں، کراری کا لقب اسی کو زیب دیتا ہے جو حیدرؓ جیسی طاقت رکھتا ہو)

(۵) خار پائے راہِ درویشانِ آں درگاہ را   در کفِ دستِ عروسِ مہد عماری مجوے

(راہِ عشق بڑی پُر خطر ہے، عیش و عشرت میں پلے ہوئے اس راہ کی تاب نہیں لا سکتے)

(۶) ہر کسے را نورِ صدق عشق ایں رہ کے دہد   صورتِ خورشید را اندر شبِ تاری مجوے

(عشق کا نور اسی دل میں آ سکتا ہے جس میں ایمان کی دولت موجود ہے، جس دل میں بے ایمانی کی تاریکی ہوگی وہ خورشید کی روشنی سے محروم رہے گا)

(۷) بر سرِ طورِ ہوا طنبورِ شہوت می زنی   عشق داری لن ترانی را بدیں خواری مجوے

(ہوا و ہوس میں گرفتار انسان اگر دعویٰ عشق کرے تو جھوٹا ہے، اس کا دعویٰ جوابِ لن ترانی کا متقاضی نہیں ہو سکتا)

(۸) ور تو خواہی نفس شیطاں از تو بیزاری کند   نامِ عشقِ دوست را جز از سرِ زاری مجوے

(محبوبِ حقیقی کے نام کا زاری کے ساتھ ورد شیطان کی بیزاری کا موجب ہوتا ہے)

(دیوان ص ۷۱۴ - ۷۱۵)

حکیم سنائیؒ کے دو قصیدوں کے منتخب اشعار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں، یہ قصائد شروع سے آخر تک دینی اور اخلاقی تعلیم کے بہترین نمونے ہیں، ان کا شمار سنائیؒ کے بلند ترین منظومات میں ہوتا ہے، پہلا قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

شرطِ مرداں نیست در دل عشقِ جاناں داشتن   پس دل اندر بندِ وصل و بندِ ہجراں داشتن

بلکہ اندر عشقِ جاناں شرطِ مرداں آں بود   بر درِ دل بودن و جاں پیشِ فرماں داشتن

شرطِ مومن چیست اندر خویشتن کافر شدن   شرطِ کافر چیست اندر کفر ایماں داشتن

ہر چہ دست آویز داری جز خدا آں ہیچ نیست   چوں عصا پندا شتن در دستِ ثعباں داشتن

کے تواں با ہمرہانِ خطۂ کون و فساد   جانِ خود را محرمِ اسرارِ فرقاں داشتن

بگذر از نفسِ بہیمی تا نباید جانت را   صورتِ تخییلِ ہر بے دیں بہ برہاں داشتن

تا کے از کاہل نمازی اے حکیم زشت خوے   ہمچو دوناں اعتقادِ اہلِ یوناں داشتن

صدقِ بوبکری و حذقِ حیدری کردن رہا   بس دل اندر زمرۂ فرعون و ہاماں داشتن

عقل نبود فلسفہ خواندن ز بہر کاملی   عقل چہ بود جاں پئے خواہ دینی خوار داشتن

دین و ملت را نے در جاں نقشِ حکمت دوختن   نوح و کشتی نے و بر جاں عشقِ طوفاں داشتن

دین نباشد با مراد و با ہوا در ساختن　　دین چہ باشد خویشتن در حکمِ یزداں داشتن

آفت داں عشوہ دہ را سر شرع آموختن　　فتنہ داں دیو را مہرِ سلیماں داشتن

زہد چہ بود ہر چہ جز حق روے از آں برتافتن　　زہد نبود روئے چوں طاعون و قطراں داشتن

فقر نبود یاد را از خاک خفتاں دوختن　　فقر چہ بود باد را از بودِ عریاں داشتن

دشمنِ خود باشی ار زیر ہوا نبود ترا　　تا تو یار خویش باشی عشقِ یاراں داشتن

اہل دنیا اہل دیں نبوند اندر یاد است نیست　　ہم سکندر بودن و ہم آبِ حیواں داشتن

چوں ز راہِ صدق و صفوت ز من آید نشما　　صدقِ بوذر رض داشتن یا عشقِ سلماں رض داشتن

بو ہریرہ رض وار باید یاری اندر اصل و فرع　　گہ دل اندر دین و گہ دستے در انباں داشتن

دین ز درویشاں طلب زیرا کہ شاہاں را مقیم　　رسم باشد گنجہا در جائے ویراں داشتن

(ص ۴۵۷ ببعد)

ذیل میں چند اشعار اس قصیدے سے منتخب ہیں جو سنائی کے مشہور ترین قصیدوں میں ہے، یہ قصیدہ دینی و عرفانی مطالب سے پُر ہے، اس کی پیروی میں متعدد شاعروں نے قصیدے لکھے ہیں، عرفی شیرازی کا بھی ایک قصیدہ اسی زمین میں ہے، جس کی یہ مشہور بیت ہر صاحبِ ذوق کی زبان پر ہے

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی　　حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

سنائی کا جو قصیدہ اس زمین میں ہے، اس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

دلا تا کے دریں زنداں فریبِ ایں و آں بینی　　یکے زیں چاہِ ظلمانی بروں شو تا جہاں بینی

جہانے کاندرو ہر دل کہ یابی پادشا یابی　　جہانے کاندرو ہر جاں کہ بینی شادماں بینی

درو گر جامہ دوزی ز نفلش آستیں یابی　　دروں گر خانہ سازی ز عدلش آستاں بینی

نہ بر اوجِ ہوا او را عقابِ دل شکر یابی　　نہ اندر قعرِ بحر او را نہنگے جاں ستاں بینی

اگر در باغِ عشق آئی ہمہ فراشِ دل یابی　　وگر در راہِ دین آئی ہمہ نقاشِ جاں بینی

سبک رو چوں توانی بود سوئے آسماں تا تو　　ز ترکیبِ چہار ارکاں ہمی خود را گراں بینی

گر از میدانِ شہوانی سوئے ایوانِ عشق آئی　　چو کیواں در زمانِ خود را بہفتم آسماں بینی

دریں رہ گرم رو می باش لیک از روئے نادانی　　منگر تند پیشیا ہرگز کہ ایں رہ را گراں بینی

وگر زی حضرتِ قدسی خراماں گردی از عزت　　ز دار الملکِ ربانی جنیبتہا رواں بینی

ز حرص و شہوت و کینہ برزاں تا بس خود را　　اگر دیوی ملک یابی وگر گرگی شباں بینی

وز امروز اندریں منزل ترا جانے زیاں آمد　　نہے سرمایہ و سودا کہ فردا زاں زیاں بینی

گر او باشی طبیعت را بروں آری ز دل زاں پس　　ہمہ رمزِ الٰہی را ز خاطر ترجماں بینی

مر ایں مہمانِ علوی را گرامی دار تا روزی　　چو ایں گنبد بروں پری مر او را میزباں بینی

نظر گاہِ الٰہی را یکے بستاں کن از عشقے　　کہ در وے رنگ و بوئے گل ز خوانِ بوستاں بینی

ایسے حکیمانہ اشعار نہ صرف فارسی ادبیات میں شاذ ہیں، بلکہ دوسری زبانوں میں مشکل ہی سے نظر آئیں گے، یہ قصیدہ دراصل اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔

اب یہاں سنائی کے بعض خیالات کو بطور اختصار پیش کیا جاتا ہے۔

علم بے عمل بیکار ہے، مگر علم کے لیے اخلاص بہت ضروری شرط ہے، علم سے انسان میں فروتنی آنا چاہیے، اگر ایسا نہ ہو تو گویا علم بے سود رہا، عالم کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے، اس کے بگاڑ میں عالم کا بگاڑ ہے، بے دین عالم کی مثال چور کی سی ہے، جس کے ہاتھ میں چوری کرتے وقت ایک چراغ ہے اور وہ چن چن کر اچھی چیزیں لیے جاتا ہے۔

ز باد فقہ و باد نقر دیں را ہیچ نکشاید　　میاں در بند کاری را کہ ایں زنگست و آں آوا

چو علمت ہست خدمت کن چو دانایاں کہ زشت آید　　گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا

چو علم آموختی از حرص آنگہ ترس کاندر شب   چو دزدے با چراغ آید گزیدہ تر برد کالا

(دیوان ص ۵۴)

علم کز تو ترا بنستاند   جہل از اں علم بہ بود صد بار
آبِ حیواں شدہ گرہ در حلق   زہر گشت ارچہ بود نوش گذار
نہ بداں لعنت است بر ابلیس   کہ نداند ہمی یکیں زیں یار
بل بداں لعنت است کاندر دیں   علم داند بعلم نکند کار
دوری از علم تا ز شہوت و خشم   جانت پر بیکرہ است دیرہ پیکار

(ص ۲۰۰)

حکیم سنائی نے موت کا ایک نیا فلسفہ پیش کیا ہے، دنیا قابل ترک ہے، اس میں دل نہیں لگانا چاہیے، موتوا قبل ان تموتوا کے یہی معنی ہیں، دنیا کے یہ بکھیڑے انسان کو راہِ دین سے ہٹانے کے لیے کافی ہیں، ایسی زندگی سے موت بہتر ہے، دراصل زندگی کے پُرپیچ مسائل کے پیشِ نظر موت کی آرزو کرنا چاہیے، یہی موت دروازۂ زندگی ہے، موت ہی سے انسان زندہ ہوتا ہے، اس لیے اس سے ڈرنے کے بجائے اس کی پذیرائی کرنی چاہیے، اب اس سلسلہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بمیر اے حکیم از چنیں زندگانی   کز ایں زندگانی چو مُردی ہمانی
ازیں زندگی زندگانی نخیزد   کہ گرگست واید ز گرگاں شبانی
بہ پیش ہمائے اجل کش چو مرداں   بعیّاری ایں خانۂ استخوانی
ازیں مرگ صورت نگر تا نترسی   ازیں زندگی ترس کاکنوں درانی
کہ از مرگ صورت ہمی رستہ گردد   اسیر از عوان و امیر از عوانی
بدرگاہ مرگ آے ازیں عمر زیرا   کہ آنجا امان است و اینجا امانی

بجز پنجۂ مرگ یانت کہ خسترد   زمشتیٔ سنگِ کاہل کاہدانی
بجز مرگ در گوش جانت کہ خواند   کہ بگذر ازیں منزلِ کاروانی
بجز مرگ با جان عقلت کہ گوید   کہ تو میزبان نیستی میہمانی
بجز مرگ اندر حمایت کہ گیرد   ازیں شوخ چشمانِ آخر زمانی
اگر مرگ نبود کہ بازت رہاند   ز درس گرانان و درسِ گرانی
اگر مرگ خود ہیچ راحت ندارد   نہ بازت رہاند ہمی جاودانی

(ص ۶۷۶ - ۶۷۷)

سنائی کے نزدیک عشق کا مرتبہ عقل سے بالاتر ہے، عقل تدبیر کے تابع ہے، عشق کے نزدیک تدبیر بے اثر ہے، صحرائے عقل میں ہر تدبیر بازیچۂ تقدیر ہے، لیکن عشق ایسا عیار ہے جو تقدیر کی تدبیر سے بچ جاتا ہے، جبکہ عقل کا مدار تدبیر ہی پر ہے، بازارِ عقل کے سودا خورد و خواب ہیں، جہاں عاشقی میں یہ کچھ نہیں، اقبال کا حسب ذیل شعر سنائی کی تفصیل کا اجمال ہے

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق   عقل تھی محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

بہرام شاہ کے مدحیہ قصیدہ میں عشق کے مضمون کا بیان سوائے آخری بیت کے شروع سے آخر تک ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

عقل را تدبیر باید عشق را تدبیر نیست   عاشقاں را عقل تر دامن گریباں گیر نیست
عشق بر تدبیر خندد زانکہ در صحرائے عقل   ہر چہ تدبیر است جز بازیچۂ تقدیر نیست
عشق عیار است بر تدبیر تقدیرش چہ کار   عقل با حفظ است کو را کار جز تدبیر نیست
علم خورد و خواب در بازارِ عقل است و حواس   در جہانِ عاشقی ہم خواب و ہم تعبیر نیست
کار عقل است اے سنائی شیر دادن طفل را   خوں خورد چوں شیر عشق اینجا حدیث شیر نیست

مرد عشق از صد ہزاراں دل و دیدم بدوست　حاصل اندر دستش از تقصیر جز تشویر نیست

عاشقی با خواجگی خصمست زاں در کوئے عشق　ہر کجا چشم افگنی تیر است یکسر تیر نیست

عین شین و قاف را آنجا کہ درسِ عاشقی ست　جز کہ عین و شین و قاف آنجا دگر تفسیر نیست

(دیوان ص ۹۴۴)

مختصر یہ کہ دیوان سنائی ایک سمندر ہے، جس میں عرفان و حکمت کے لاکھوں گوہر نایاب موجود ہیں ان کے حصول کے لیے علم و فن کے بڑے غواص درکار ہیں، سنائی کے کلام کے یہی امتیازات ہر زمانے میں ادیبوں، شاعروں اور دانشمندوں سے خراجِ تحسین لیتے رہے ہیں، وہ اپنے ہی دور میں کافی شہرت کے مالک بن چکے تھے، چنانچہ شاعروں اور ادیبوں نے ان کی صرف تعریف ہی نہیں کی ہے، بلکہ ان کے اشعار (بالخصوص قصیدہ اور قطعات سے) اپنے کلام کو آراستہ کیا ہے، ان کے معاصرین[1] میں تین شخصیتیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، اول ابوالفضل رشید الدین میبذی، دوم عین القضاۃ ہمدانی اور تیسرے نصر اللہ غزنوی، اول الذکر نے اپنی تفسیر کشف الاسرار میں جو دس جلدوں میں طبع ہو چکی ہے، سنائی کے قصیدوں سے کئی سو اشعار نقل کیے ہیں، کشف الاسرار کی تالیف سنائی کی زندگی ہی یعنی سنہ ۵۲۰ھ میں شروع ہوئی، اور آخری جلد کی تکمیل کے وقت بھی سنائی بقید حیات تھے، میبذی کا انداز اس طرح پر ہے:

اگرت ایں روز آرزوست از خود بیروں آئی چنانکہ مار از پوست جز از درگاہ او خود را بند کہ قرارگاہ دلِ دوستاں فنائے اوست:

چہرۂ عذرات باید بر در دامن نشیں　عشق بودہ روامت باید گام سلیمان دار زن

(ج ۱، ص ۳۳)

[1] اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو راقم کا مضمون بعنوان "حکیم سنائی غزنوی کی مقبولیت خود اپنے زمانے میں" مجلۂ علوم اسلامیہ ۱۹۷۹، ص ۱۷ - ۱۰۰۔

اسی قصیدہ کی دوسری بیت دوسری جلد ص ۱۷۳ پر درج ہے:

راز دوستی با کس مگوئید و سر دوستی برنا اہلاں اظہار مکنید، و چہرۂ جمال حقیقت را بمقنع تعزز فرو گذارید تا دیدۂ ہر نامحرم بدو ننگرد:

چوں خوری مے با حریف محرم پردہ در خور　چوں زنی گم با ندیم زیرک ہشیار زن

اسی قصیدہ کی ایک تیسری بیت، اسی جلد کے ص ۵۳۴ پر اس طرح آئی ہے:

ہر کہ خویشتن را پسندید و بعادت در خود نگرید در توبہ بروے فرو بستند و آب فلاح از وے باز گرفتند:

دور شو از صحبت خود پرور عادت پرست　بوسہ بر خاک کف پائے ز خود بیزار زن

یہ بیت بہت مقبول تھی چنانچہ ج ۳ میں ص ۲۹۸ اور ص ۴۳۸ پر دوبار، ج ۵ ص ۳۴۴ پر ایک بار اور ج ۸ ص ۱۳۳ - ۱۳۴ پر ایک بار نقل ہوئی ہے، ج ۸ میں منقول ہے: اگر در یک ذرہ منی خود بینی در باطن تو ساکن شود جنابتیت رسد کہ بہمہ دریاہائے عالم زائل نگردد:

دور باش از صحبت خود پرور عادت پرست الخ

سنائی کے حکیمانہ قصیدہ سے جس کی ردیف بینی ہے متعدد اشعار نقل ہوئے ہیں، انداز بیان اس طرح پر ہے:

در راہِ جوانمردی خود را در طاعت دیدن گبرکی است و از آں نگریستن عین دوگانگی:

اگر صد بار در روزی شہید راہِ حق گردی　ہم از گبراں یکے باشی چو خود را در میاں بینی

(ج ۱، ص ۳۶۷)

پھر فرماتے ہیں: فکرت کہ کند بحکمت کند، باز و او پرواز کند در ملکوت اعلیٰ جولان کند و جز در حضرت عبدیت آشیاں نسازد:

بہ حکمتہا قوی پرکن تو مرطاؤس عرشی را	کہ تا ایں دام گاہ او را نشاط آشیاں بینی
دگر زی حضرتِ قدسی خراماں گردی انگہ	ز دار الملکِ ربانی جنیبہا رواں بینی

(ج ۱، ص ۳۹۷)

عین القضاۃ ہمدانی نے جن کی وفات ۵۲۵ھ میں ہوئی، اپنے کلام میں سنائی کے اشعار نقل کیے ہیں، ان کے مکتوب میں سنائی کے اشعار جس طرح نقل ہوئے ہیں، ان کی دو ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

اے عزیز ندیدی کہ چوں عجب براہ آید ترک طاعت بہ بود، اگر نہ چرا گفت ضلیلک بتوکہا

بہرچ از راہ باز افتی چہ کفر آں دین و چہ ایمان	بہرچ از دوست وامانی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

بااین ہمہ نشاید کہ تو با کامل یا عامی دیگر ...... ہمہ در راہِ دین در دائرۂ عوام مقام دارید۔

(بخش اول ص ۴۳۸)

یہ بیت سنائی کے مشہور قصیدہ بمطلع ذیل سے ماخوذ ہے:

مکن در جسم و جاں منزل کہ ایں دون است و آں والا	قدم زیں ہر دو بیروں نہ نہ اینجا باش و نہ آنجا

(دیوان ص ۵۱)

اے دوست بلال حبشی می گفت: اشہد ان لا الہ الا اللہ، بہ سین گفت، بہ شین معجمہ نمی توانست گفت، پس سید صلعم گفت: سین بلال عند اللہ شین، اما ابوجہل و ابولہب اشہد راست بتوانستندے گفت، چہ گوئی اہل قرآن اہل اللہ و خاصتہ بوجہل بود یا بلال؟ لا بل ترکت الرای بالرای، عالمی نہ آنست کہ تو دانستہ، تا ایں غایت سنائی گوید:

امامت گر ز کبر و حرص و بخل و کیں بروں آید	بدوزخ دانش از معنی درش در گلستاں بینی
دگر چہ طیلساں دارد مشوغرہ بداں کانجا	کے طوقے است از آتش تو آں کش طیلساں بینی

(بخش ۲ ص ۴۹، ۵۰)

نصر اللہ غزنوی (متوفی ۵۵۵ھ) نے کلیلہ و دمنہ میں سنائی کے قصائد سے استشہاد کیا ہے، وہ سنائی کا معاصر تھا، اور کلیلہ و دمنہ حکیم کی حیات ہی میں مکمل ہوئی تھی، نصر اللہ کے استفادہ کی نوعیت یہ ہے:

باز باید گشت و آسایش داد تا با ہم بمجلس انس خرامیم کہ راست نیاید جنیں:

در جہاں شاہدی و ما فارغ	در قدح جرعۂ و ما ہشیار
خیز تا آب روے بنشانیم	باد ایں خاک تودۂ غدار
ترکتازی کنیم و بر شکنیم	نفس زنگی مزاج را بازار

یہ ابیات سنائی کے مشہور و معروف عارفانہ قصیدہ بمطلع زیر سے ماخوذ ہیں:

کلیلہ و دمنہ طبع استاد قریب ص ۳۰۲

طلب اے عاشقانِ خوش رفتار	طرب اے نیکوانِ شیریں کار

(دیوان ص ۱۹۶)

و در میں مجمع آں بوم کہ بکشتن او اشارت می کند حاضر بود، گفت:

گر چو نرگس مستی شوخ و چو لالہ تیرہ دل	پس دور دو زباں ہمچو گل و سوسن مباش

(کلیلہ و دمنہ ص ۱۹۰)

یہ بیت سنائی کے ایک قصیدہ سے منقول ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

اے سنائی خواجۂ جانی غلامِ تن مباش	خاک را گر دوست بوی پاک را دشمن مباش

(دیوان ص ۳۲۶)

ہندوستان میں بھی حکیم سنائی کا کلام کافی مقبول تھا، حسن نظامی کے تاج المآثر میں ان کے اشعار مل جاتے ہیں، محمد عوفی نے جوامع الحکایات میں حکیم کے قصیدوں کے اشعار سے جا بجا کلام کو

مرصع کیا ہے، مثلاً ایک جگہ مذمتِ حرص کے ذیل میں آیا ہے:

ہر چیز کہ فرزند آدم را باشد پیر شود و ضعیف گردد بجز دو چیز امل و حرص و سنائی گوید:

بہ حرص ار شربتے خوردم مگیر از من کہ در منزل — بیاباں بود و تابستان و آبِ سرد و استسقا
مگر داں عمرِ من چوں گل کہ در طفلے شود کشتہ — مگر داں حرصِ من چوں گل کہ در پیری شود برنا

(قسم ۳، جز ۱ ص ۵۸)

یہ اشعار سنائی کے مشہور قصیدہ سے ماخوذ ہیں جس کا مطلع یہ ہے:

مکن در جسم و جاں منزل کہ ایں دون است و آں والا — قدم زیں ہر دو بیروں نہ، نہ اینجا باش نہ آنجا

(دیوان ص ۵۱)

ایک جگہ مرگ کو آسائش بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

چنانکہ زبان نبوت علیہ السلام بیان می فرماید کہ "الموت راحۃ"...... و حکیم عجم سنائی گوید:

اگر مرگِ خود ہیچ راحت ندارد — نہ بازت رہاند ہمی جاودانی
اگر خوش خوئی از گراں قلتبانان — اگر بدخوئی از گراں قلتبانی

(قسم ۳ جز ۱ ص ۳۱۶)

یہ اشعار حکیم کے قصیدے سے منقول ہیں جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

بمیر اے حکیم از چنیں زندگانی — کزیں زندگانی چو مردی بمانی

(دیوان ص ۶۷۵)

حکیم سنائی کے قصائد ہندوستانی صوفیہ کے ملفوظات میں نقل ہوتے رہے ہیں، حضرت نظام الدین اولیاؒ کی روایت سے فوائد الفواد میں ایک حکایت نقل ہوئی ہے:

"تھوڑی دیر خواجہ حکیم سنائی (خدا ان کی مٹی پاک کرے) کے بارے میں گفتگو ہوئی، حضرت نے

فرمایا کہ شیخ سیف الدین باخرزی (خدا ان کے مرقد کو روشن کرے) نے بارہا کہا ہے کہ میں سنائی کے ایک قصیدے کا مسلمان کردہ ہوں طیب اللہ ثراہ، ایک صاحب تشریف رکھتے تھے، سنائی کے ایک قصیدے کی ایک بیت پڑھی اور ایسا ظاہر کیا کہ یہ بیت اسی قصیدے کی ہے (جس کی طرف شیخ باخرزی نے اشارہ کیا تھا) ان بزرگ نے جو بیت پڑھی تھی وہ یہ تھی:

بر سرِ طورِ ہوا طنبورِ شہوت می زنی — عشق مرد لن ترانی را بدیں خواری مجوے

اس کے بعد حضرت خواجہ ذکرہ اللہ نے فرمایا کہ حسب ذیل بیت مذکورہ بالا بیت کے متصل ہے:

خاک پائے راہ عیارانِ ایں درگاہ را — درکفِ دستِ عروس عہد عماری مجوے

..... پھر فرمایا کہ شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا کہا ہے کاش کوئی مجھے وہاں لے جاتا جہاں سنائی کی خاک ہے، یا ان کی خاک لاتا کہ میں اس کو سرمہ بناتا۔"

یہ بیت سنائی کے ایک مختصر قصیدے کی ہے جس کا مطلع یہ ہے:

شغلِ سرہنگانِ دین از مردِ متواری مجوے — سیرت ابرار را در طبع اضراری مجوے

(دیوان ص ۷۱۴)

سنائی کا ایک دوسرا مشہور قصیدہ یہ ہے:

بسکہ شنیدی صفتِ روم و چین — خیز بیا ملکِ سنائی ببیں

اس قصیدہ میں عارفوں اور خدا والوں کی بلند حوصلگی اور سیر ولی کا اجمالی بیان ہے اور اس کا ہر شعر سنائی کی شخصیت کا مظہر ہے، چند شعر ملاحظہ ہوں:

تا ہمہ دل بینی بے حرص و بخل — تا ہمہ جاں بینی بے کبر و کیں
زر نہ و کاں ملکے زیر دست — جو نہ و اسپ ملکے زیر زیں
پائے نہ و چرخ بزیر قدم — دست نہ و ملک بزیر نگیں

رختِ کیانی نه، واو روح دار	تخت بر آورده بچرخِ برین
رسته ز ترتیب زمین و زمان	جسته ز ترکیب شهور و سنین
بود چو یوسف بچه در فتنه باز	تا فلک از جذبهٔ حبل المتین
زیر قدم کرده ز اقلیم شک	تا به نهانخانهٔ عین الیقین
با دلِ او خاک مثال ینال	با کفِ او سنگ نگین تکین

(ص ۵۴۵)

اس قصیدے کی نسبت سے خیر المجالس (ص ۱۴۳ - ۱۴۶) (تالیف ۷۵۶ھ) میں ایک طویل حکایت نقل ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ روم کے شہزادہ کو جب اس قصیدے کے مطلع کی اطلاع ملی تو اس نے وزیر سے ملک سنائی کی حقیقت جاننی چاہی، وزیر نے کہا کہ اس سے ملک دنیا مراد نہیں بلکہ ملک فقر یا عرفان مراد ہے، جس کی حقیقت صرف اہل فقر و اہل عرفان ہی بتا سکتا ہے، شہزادہ کو تشفی نہ ہوئی تو اس نے غزنی کا رخ کیا، اور سنائی کو دیکھا کہ ایک مزار میں خرقہ میں منھ چھپائے قبلہ رو بیٹھے ہیں، شاہزادہ ان کے پاس گیا اور زمین پر سر رکھ دیا، حکیم نے سر اٹھایا اور شاہزادے سے مخاطب ہوا، شاہزادے نے اپنا مقصد بیان کیا، سنائی نے کہا کہ اگر ہمارے ملک کو دیکھنے کی تمنا ہے تو اپنے باپ کے ملک کی خواہش ترک کر دو اور یہ خرقہ پہنو، شاہزادے نے جونہی خرقہ پہنا بے ہوش ہو گیا، ہوش میں آیا تو سنائی نے پوچھا کہ میرا ملک دیکھ لیا؟ شہزادے نے جواب دیا دیکھ لیا، آپ نے اس بیت میں کسر چھوڑ دی ہے، ملک روم و چین کی کیا حقیقت ہے، سارا جہان اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے، وہ حکومت اور دولت سے دستبردار ہو گیا اور ایک کملی اوڑھ کر سنائی کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے اپنے ملک کا ایک حصہ اس کو عنایت کر دیا، اس طرح اس کو عارفوں کی صف میں جگہ مل گئی۔

مختصر یہ ہے کہ سنائی کے کلام خصوصاً ان کے قصائد کی مقبولیت صرف ادیبوں اور شاعروں تک محدود نہ تھی، صوفیوں اور عارفوں کے یہاں وہ یکساں مقبول تھے، اور ان کی یہ مقبولیت اسلامی دنیا کے بڑے حصہ میں پھیلی ہوئی تھی، جو خود ان کے زمانے سے شروع ہو کر صدیوں تک باقی رہی، اور اس غیر معمولی مقبولیت کی وجہ ان کی سیرت کے وہ بلند پہلو ہیں جو ان کی شاعری میں پوری طرح نمایاں ہیں۔

میری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ سنائی کے قصائد عرفانی اور دینی افکار کے ایسے نمائندہ ہیں جن کی مثال فارسی میں نہیں ملتی، سنائی عام طور پر صوفی شاعر سمجھے جاتے ہیں، جن کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ خانقاہ میں بیٹھے مریدین کی اصلاح میں مصروف ہوں گے، وہ صوفی ضرور تھے، مگر ان کا میدان افادہ پورا معاشرہ تھا، ان کے مخاطب صرف ان کے مریدین ہی نہ تھے، بلکہ معاشرے کا ہر فرد تھا، اور ان کے خطاب میں جرأت و بے باکی ملتی ہے، وہ ہر شخص کی کوتاہیوں کا بے جھجک اظہار کر دیتے، اسی بنا پر ان کی شاعری ایک پیغام ہے، ان کے یہاں حمد کی عنصر کا غلبہ ہے، ان کے یہاں دین کا ایک وسیع تصور ہے، وہ عمل کے قائل تھے، باطل سے تعاون نہیں کرنا چاہتے تھے، ان کا برملا اظہار وہ ضروری سمجھتے، اسی وجہ سے ان کے یہاں طنز سے زیادہ تنقید کا رنگ نمایاں ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے مخالفین بھی بہت تھے، یہی وہ خصوصیت ہے جس میں ان کا کلام سارے عارفانہ کلام سے ممتاز ہے، سطور بالا میں اسی خصوصیت کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور چونکہ اب تک حکیم سنائی کے کلام کے اس رخ کو نمایاں نہیں کیا گیا ہے، ممکن ہے کہ میرے بیانات کچھ عجیب معلوم ہوں، لیکن میرا یقین یہی ہے کہ سنائی کے کلام کا غائر مطالعہ اسی نتیجے پر پہونچائے گا۔

* * *

امام ابو معشر سندی صاحبُ المغازیؒ

از مولانا قاضی اطہر مبارک پوری

(۲)

کوفہ میں امام اعمش سے ملاقات اور علمی گفتگو

ابو معشر سنہ ۱۶۱ھ میں خلیفہ مہدی کی دعوت پر بغداد گئے اور وہیں فوت ہوئے، اس سے پہلے کسی روایت سے ان کا مدینہ منورہ سے نکلنا معلوم نہیں ہوتا، البتہ اس درمیان میں ایک بار کوفہ میں امام اعمش (ابو محمد سلیمان بن مہران مولیٰ بنی کاہل المعروف بہ اعمش، سنہ ۶۱ھ ـ سنہ ۱۴۸ھ) کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک دینی و علمی گفتگو میں شریک ہوئے، امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں ابو معشر کے تلمیذ سعید بن منصور کی زبانی ان کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں اعمش کے پاس بیٹھا تھا، انھوں نے دریافت کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں اہل مدینہ میں سے ہوں، اس پر انھوں نے پوچھا کہ نبیذ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ میں نے ان کے جواب میں کہا:

حدّثنی نافع عن ابن عمرؓ انّ	مجھ سے نافع نے بیان کیا کہ ابن عمرؓ نے کہا،
رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
قال ما اسکر کثیرًا فقلیلہ حرام،	جو چیز زیادہ نشہ پیدا کرے اس کا کم بھی حرام ہے،
وحدّثنی موسیٰ بن عقبۃ عن سالم	اور مجھ سے موسیٰ بن عقبہ نے بھی سالم عن ابیہ
عن ابیہ مرفوعًا مثلہٗ [1]	اسی کے مثل بیان کیا ہے۔

[1] میزان الاعتدال ج ۳، ص ۳۲۹۔

امام اعمش اپنے زمانہ میں علی الاطلاق محدث اہل کوفہ تھے، بقول ابن مدینی انھوں نے کوفہ میں علم دین کو امت کے لیے محفوظ کیا ہے، اپنے اقران و معاصرین میں فہم قرآن، حفظ حدیث اور علم فرائض وغیرہ میں سب سے آگے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی رکاب تھامنے اور ان کی دعا لینے کا شرف رکھتے تھے، وہ دین ہی دین اور علم ہی علم تھے، امام ابو معشر نے ان کے سوال کا جواب جس حکیمانہ اور مؤدبانہ انداز میں دیا ہے، وہ ان کے تفقہ فی الدین اور بصیرۃ بالحدیث کی دلیل ہے، اپنی دو سندوں سے جو سلسلۃ الذہب کا درجہ رکھتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنا دی جس میں مسکر کے بارے میں اصولی اور عام حکم ہے، نہ نبیذ کی حلت و حرمت کی بحث چھیڑی اور نہ اس کی کیفیت و کمیت کے بارے میں کوئی بات کی، امام اعمش بھی یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے، اور ان کو معلوم ہو گیا کہ نبیذ کے بارے میں ابو معشر کا مسلک کیا ہے۔

خلیفہ مہدی کی دعوت پر بغداد میں قیام

معلوم ہو چکا ہے کہ امام ابو معشر بچپن میں غلام بن کر مدینہ منورہ آئے اور ایک مخزومیہ عورت کی غلامی کے بعد خلیفہ مہدی کی والدہ ام موسیٰ بنت منصور حمیریہ کی ولاء میں چلے گئے، جس سے آزادی کے بعد بھی ان پر ایک قسم کی پابندی تھی اور سنہ ۱۶۰ھ تک جب کہ ان کی عمر ستر سال کے لگ بھگ تھی، یہیں متاہل زندگی بسر کی، صرف ایک بار کوفہ جانے کا ثبوت ملتا ہے، مگر آخری عمر میں مدینہ منورہ چھوڑ کر بغداد جانا پڑا، یا یوں کہیے کہ نسبتِ ولاء نے ابو معشر کو مدینہ منورہ کی مسندِ علم و فضل سے اٹھا کر بغداد کے قصر جاہ و حشم میں پہونچا دیا۔

خلیفہ مہدی نے سنہ ۱۶۰ھ میں حج ادا کیا، اس کے بعد مدینہ منورہ حاضری دی، اور اپنے حق ولاء کی بنا پر خواہش اور فرمائش کی کہ ابو معشر اس کے ساتھ بغداد چلیں اور دربار خلافت سے وابستہ لوگوں کو دینی تعلیم دیں، ساتھ ہی سامانِ سفر کی تیاری کے لیے ایک ہزار دینار پیش کیے، صاحبزادے محمد بن ابو معشر کا بیان ہے:

قدم المهدی بعد خلافته فی سنة ستین فاشخصه یعنی ابامعشر معه الی العراق وامرله بالف دینار وقال تکون بحضرتنا نتفقه من حولنا فشخص ابومعشر معه الی مدینة السلام سنة احدی وستین [1]

خلیفہ مہدی سنہ ۱۶۰ھ میں مدینہ منورہ آیا، اور ابومعشر کو اپنے ساتھ لے گیا، ایک ہزار دینار پیش کر کے کہا کہ آپ ہمارے پاس رہیں گے اور ہمارے حلقہ کے لوگوں کو دینی تعلیم دیں گے۔ چنانچہ ابومعشر سنہ ۱۶۱ھ میں مہدی کے ساتھ مدینۃ السلام (بغداد) چلے گئے۔

امام ذہبی اور حافظ ابن حجر نے بھی اختصار کے ساتھ یہی لکھا ہے[2]، ابومعشر نے مدینہ منورہ میں ہوش کی آنکھ کھولی، یہیں پروان چڑھے اور یہیں کے علماء و مشایخ سے کسب فیض کر کے کہنا چاہیے کہ پوری زندگی یہاں کی دینی و علمی فضا میں بسر کی، اس مقدس سرزمین کے چپے چپے سے ان کو محبت تھی جس میں پیوند خاک ہونے کی تمنا ہر مسلمان کو ہوتی ہے، اس لیے مدینہ منورہ کی گلی کو چھوڑ کر بغداد کے قصر خلافت میں جانا بطیب خاطر نہیں تھا، بلکہ اپنے مولا و آقا مہدی کے حکم پر اس کے ساتھ بغداد کا سفر کیا اور دس سال کے بعد یہیں پیوند خاک ہوئے۔

یہ عجیب بات ہے کہ بغداد آنے کے بعد بھی ابومعشر کے حالات پردۂ خفا میں ہیں اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ مہدی کے دربار سے منسلک رہے بھی یا نہیں، البتہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں ان کے خاندان کو فتنۂ معاصرت سے سابقہ پڑا، جس سے ان کی اولاد نے احساس کمتری میں مبتلا ہو کر عالی نسبی کا دعویٰ کیا تھا۔

وفات ابومعشر کو عمر کی آخری منزل میں ترک وطن کر کے بغداد آنا پڑا، اس وقت ان کی عمر ستر سال کے لگ بھگ رہی ہوگی، یہاں چند ماہ کم دس سال زندہ رہ کر رمضان سنہ ۱۷۰ھ میں فوت ہوئے۔

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۸ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۷، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۱۔

قیام بغداد کی یہ مدت پیرانہ ضعف و اضمحلال کی نذر رہی، حتیٰ کہ انتقال سے دو سال پہلے ہوش و حواس میں شدید تغیر پیدا ہو گیا تھا، محدثین کے نزدیک اس عمر کی مرویات معتبر نہیں مانی جاتی ہیں، ان کے شاگرد محمد ابن بکار کا بیان ہے:

کان ابومعشر تغیر قبل ان یموت تغیراً شدیداً حتی کان یخرج منه الریح ولا یشعر به [1]

ابومعشر انتقال سے پہلے شدید اختلال و تغیر میں مبتلا ہو گئے تھے، حتیٰ کہ بعض جسمانی حرکات کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

اور خلیلی نے بیان کیا ہے:

وتغیر قبل ان یموت بسنتین تغیراً شدیداً [2]

ابومعشر انتقال سے دو سال پہلے سخت ذہنی اختلال میں مبتلا ہو گئے تھے۔

ابن سعد، خلیفہ بن خیاط، ابن قتیبہ، الخطیب بغدادی اور بعد کے تمام تذکرہ نویسوں نے تصریح کی ہے کہ امام ابومعشر بغداد میں سنہ ۱۷۰ھ میں فوت ہوئے، خطیب نے محمد بن بکار کی روایت میں ماہ رمضان بھی لکھا ہے، یہ مہدی کے بعد ابوجعفر منصور کی خلافت کا ابتدائی دور تھا۔

ذاتی حالات اور ذکاوت و ذہانت امام ابومعشر کا بدن فربہ، رنگ سیاہ، اور ایک روایت کے مطابق گورا، اور زبان میں لکنت تھی، ذریعۂ معاش خیاطت یعنی کپڑے کی سلائی تھا، نہایت باوقار، مؤدب اور عابد و زاہد بزرگ تھے، ذکی الحس، فہیم اور فطین آدمی تھے، اس بارے میں مدینہ منورہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، دوسرے کمالات میں بھی بے مثل تھے، ان کے شاگرد ہشیم بن بشیر کا بیان ہے:

ما رأیت مدنیاً اکیس من ابی معشر وما رأیت

میں نے مدینہ کے کسی باشندہ کو ابومعشر سے زیادہ چالاک نہیں پایا، اور نہ کسی مدنی کو

[1] تاریخ بغداد ص ۴۲۹ ج ۱۳۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۲۔

مدنیًا یشبھہ [۱] — ان کے مشابہ پایا۔

دوسرے شاگرد ابونعیم کا بیان ہے:

کان ابو معشر کیسًا حافظًا [۲] — ابو معشر نہایت چالاک، معاملہ فہم اور حافظ حدیث تھے۔

حافظ ابن حجر نے یہ دونوں اقوال تہذیب التہذیب میں بھی نقل کیے ہیں۔

لکنت اور ضعف حفظ ذکاوت وکیاست کے باوجود ان میں دو غیر اختیاری کمزوریاں تھیں، ان لیے ان کو اپنی مرویات کی صحیح اور مستقیم سند کے ساتھ بیان کرنے میں دقت ہوتی تھی، ایک زبان میں لکنت وعجمیت، جس کی وجہ سے حروف اور الفاظ کو صحیح طور سے ادا نہیں کر سکتے تھے، مثلاً کاف کو قاف کہتے تھے، دوسری کمزوری ضعف حفظ کی تھی (سوئے حفظ کی نہیں) امام ترمذی نے کہا ہے:

وقد تکلم فیہ بعض اھل العلم من قبل حفظہ [۳] — بعض اہل علم (محدثین) نے ان کے حافظہ میں کلام کیا ہے۔

اور امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے:

وکان من اوعیۃ العلم علی نقص فی حفظہ [۴] — ابو معشر حافظہ میں نقص کے باوجود علم کا خزانہ تھے۔

اسی کے ساتھ انتقال سے دو سال پہلے شدید قسم کے ذہنی انتشار و اختلال کا شکار ہو گئے تھے اور اس دور کی روایات محدثین کے نزدیک معتبر نہیں مانی جاتی ہیں۔

حدیث و فقہ اور تفسیر و مغازی میں جامعیت امام ابو معشر اپنے دور کے جملہ مدنی علوم و فنون کے جامع تھے، اور فقہ و فتویٰ، حدیث و تفسیر، سیر و مغازی اور اخبار و ایام میں ممتاز

[۱] کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۱ ص ۴۹۴ [۲] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۹ [۳] جامع ترمذی باب ما جاء فی حث النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الھدیۃ۔ [۴] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۶۔

مقام رکھتے تھے۔

تفقہ فی الدین کی شہرت ان کو بغداد لے گئی، اور خلیفہ مہدی نے اسی کی تعلیم کے لیے یہ کہہ کر اپنے پاس بلایا تھا:

تکون بحضرتنا فتفقہ من حولنا۔ — آپ ہمارے یہاں رہیں گے اور ہمارے آدمیوں کو فقہ کی تعلیم دیں گے۔

ابن القیسرانی نے الانساب المتفقہ میں ان کا تذکرہ فقہا میں کیا ہے [۱]، اور امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں الفقیہ کے خطاب سے یاد کیا ہے [۲]، ابن سعد نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے [۳]، ابن قتیبہ نے اصحاب الحدیث کے ذیل میں ان کا ذکر کیا ہے [۴]، امام ذہبی نے حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے، ان کے استاد محمد بن کعب قرظی اعلم بتاویل القرآن تھے، شاگرد بھی تفسیر کے مستند عالم ہیں، امام احمدؒ نے ان سے محمد بن کعبؒ کی تفسیری روایات لینے کا مشورہ دیا ہے، اسی کے ساتھ امام ابو معشر سیر و مغازی، اخبار و احداث میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں، امام احمدؒ نے فرمایا ہے:

کان بصیرًا بالمغازی [۵] — وہ مغازی کے صاحب نظر عالم تھے۔

ابن ندیم نے لکھا ہے،

عارف بالاحداث والسیر واحد المحدثین [۶] — وہ تواریخ واحداث اور سیر و مغازی کے عارف اور محدث تھے۔

خطیب بغدادی نے ان کے بارے میں یہاں تک لکھ دیا ہے:

وکان من اعلم الناس بالمغازی [۷] — وہ مغازی کے سب سے بڑے عالم تھے۔

[۱] الانساب المتفقہ ص ۷۷ [۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۶ [۳] طبقات ابن سعد ج ۵، ص ۱۸۴۔ [۴] المعارف ص ۲۲۰۔ [۵] تاریخ بغداد ج ۱۳، ص ۴۲۸۔ [۶] الفہرست ابن ندیم ص ۱۳۶ [۷] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۸

امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو صاحب المغازی اور العبر میں صاحب المغازی والاخبار لکھا ہے، خلیلی نے ان کی جامعیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ابو معشر له مکان فی العلم و التاریخ وتاریخه احتج به الائمة [1]	علم اور تاریخ میں ابومعشر کا خاص مقام ہے اور ان کی کتاب المغازی کو ائمہ نے قابل حجت اور مستند قرار دیا ہے۔

اسی طرح زہد ورقائق کے باب میں علماء نے ان کی مرویات کو خاص اہمیت دی ہے، اور ان کی روایت کی تلقین کی ہے۔

کتاب المغازی مدینہ منورہ احادیث و آثار اور فقہ و فتویٰ کی طرح اخبار و احداث اور سیر و مغازی کے اہل درس اور اصحاب تصانیف علمائے تابعین کا مرکز تھا، اور ابومعشر کے دور شباب میں ان حضرات کی ایک بڑی جماعت موجود تھی، ان میں عروہ بن زبیرؓ بن عوام مدنی متوفی سنہ ۹۱ھ، ابان بن عثمان بن عفانؓ مدنی متوفی سنہ ۱۰۵ھ، عاصم بن عمر بن قتادہ مدنی متوفی سنہ ۱۲۰ھ، شرحبیل بن سعد مدنی متوفی سنہ ۱۲۳ھ، محمد بن مسلم ابن شہاب زہری مدنی متوفی سنہ ۱۲۳ھ، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم مدنی متوفی سنہ ۱۳۵ھ، ولید بن کثیر مدنی متوفی سنہ ۱۵۱ھ، موسیٰ بن عقبہ مدنی متوفی سنہ ۱۴۱ھ، عبداللہ بن جعفر مدنی متوفی سنہ ۱۷۰ھ، محمد بن اسحاق مدنی متوفی سنہ ۱۵۱ھ وغیرہ اصحاب السیر والمغازی تھے، ان میں موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق نے مغازی کے موضوع پر سب سے پہلے کتابیں تصنیف کیں، جو بعد میں اس موضوع کیلئے ماخذ ثابت ہوئیں، ان میں کئی حضرات ابومعشر کے شیوخ ہیں، اور تقریباً سبھی ان کے بزرگ معاصر ہیں، اور موسیٰ بن عقبہ سے اخذ و کسب کی تصریح کتابوں میں ہے، طبقۂ تابعین کے یہ علمائے سیر و مغازی عام طور سے ایک جگہ بیٹھ کر اس موضوع پر مذاکرہ کیا کرتے تھے، اور ابومعشر غور سے سنتے تھے، اس طرح ان کے پاس سیر و مغازی کا

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۲

نہایت معتبر و منقح علم جمع ہو گیا تھا جس کو بعد میں انھوں نے کتاب المغازی کے نام سے مرتب کیا۔

ایک مرتبہ اہل علم نے محمد بن ابومعشر سے دریافت کیا کہ آپ کے والد نے علم مغازی کیسے محفوظ کیا؟ تو انھوں نے بتایا:

کان التابعون یجلسون الیٰ استاذه فکانوا یتذاکرون المغازی، فحفظ [1]	علمائے تابعین ان کے استاذ کے پاس بیٹھ کر مغازی کے موضوع پر بحث و مذاکرہ کیا کرتے تھے، اور ان کی باتوں کو انھوں نے یاد کیا۔

ہمارا خیال ہے کہ سیر و مغازی میں ابومعشر کے خصوصی استاد موسیٰ بن عقبہ مدنی ہیں جن کے پاس حضرات تابعین آ کر اس موضوع پر بحث و مذاکرہ کیا کرتے تھے، امام مالکؒ ابن اسحاق کے سخت منکر تھے، اور ان کے مقابلہ میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کے قائل بلکہ مبلغ تھے، وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے "تم مرد صالح موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی پڑھو کیونکہ وہ اصح المغازی ہے، موسیٰ ثقہ آدمی ہیں، انھوں نے کبر سنی میں یہ علم حاصل کیا ہے، اور دوسروں کی طرح اکثار و اطناب سے کام نہیں لیا ہے، ان کی کتاب المغازی میں جن شرکائے بدر کا تذکرہ ہے، وہ واقعی اس میں شریک تھے، محمد بن طلحہ بن طویل کا قول ہے کہ مدینہ میں موسیٰ بن عقبہ سے بڑا کوئی مغازی کا عالم نہیں تھا [2]

موسیٰ بن عقبہ اور دوسرے اصحاب مغازی کے ساتھ ابومعشر کے تلمذانہ اور معاصرانہ تعلقات تھے، اور ان ہی کی طرح وہ بھی اس فن کے مستند عالم مانے جاتے تھے، ایک ہی دور میں موسیٰ بن عقبہ محمد بن اسحاق اور ابومعشر اور ان کے تلمیذ قاضی علی بن مجاہد کابلی نے اپنی اپنی کتاب المغازی لکھی، ابن ندیم نے ابومعشر کی کتاب المغازی کا تذکرہ کیا ہے [3] اسی کو خلیلی نے ان کی تاریخ کہا ہے، جس کو ائمۂ علم و فن نے حجت اور دلیل مانا ہے، ابومعشر سے ان کے تلامذہ نے کتاب المغازی کی سماعت و روایت کی ہے، ان کے

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۲ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۶۱ [3] الفہرست ص ۱۳۶

صاحبزادے محمد بن ابو معشر نے بھی اس کی روایت کی ہے، خطیب نے لکھا ہے:

سمع من ابیه کتاب المغازی وغیرہ[1]	محمد بن ابو معشر نے اپنے والد سے کتاب المغازی وغیرہ کی روایت کی ہے۔

اور محمد بن ابو معشر سے ان کے صاحبزادے داؤد نے اس کی روایت کی، خطیب ہی نے لکھا ہے:

حدث عن ابیه عن ابی معشر کتاب المغازی[2]	داؤد نے اپنے باپ محمد سے، اور انھوں نے اپنے باپ ابو معشر سے ان کی کتاب المغازی کی روایت کی ہے۔

اور ان سے اس کی روایت قاضی احمد بن کامل نے کی، ابو معشر کے شاگرد علی بن مجاہد کابلی نے اپنے استاد کی کتاب المغازی کی ان سے روایت کر کے خود بھی کتاب المغازی لکھی۔

ابو معشر کی کتاب المغازی بھی ان کے استاد موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی کی طرح نہایت مستند و معتبر تھی اور ایمہ حدیث اس کو حجت مانتے تھے، یہ کتاب کئی صدیوں تک اہل علم میں متداول رہی، سیر و مغازی اور رجال و طبقات کی کتابوں میں جستہ جستہ اس کی مرویات ملتی ہیں۔

ایمہ جرح و تعدیل کے آراء و اقوال

عام طور سے محدثین نے احادیث کی مسانید و جوامع مدون کرنے کے ساتھ تواریخ و اخبار، طبقات و رجال اور سیر و مغازی پر کتابیں لکھیں کیونکہ یہ علوم حدیث کے لیے ضروری ہیں، متقدمین و متاخرین میں شاید ہی کوئی مشہور محدث ہو جس نے تاریخ و طبقات میں کوئی کتاب نہ لکھی ہو، ان میں سے بہت سے اخبار و تواریخ میں کثرت تصانیف یا کثرت روایت کی وجہ سے اخباری کے لقب سے مشہور ہو گئے اور محدثین کے نزدیک ان کی شخصیت مختلف فیہ ہو گئی، مگر امام ابو معشر صاحب المغازی اور اخباری ہونے کے باوجود ایمہ حدیث و فقہ کے زمرہ ہی میں شمار کیے گئے، اور محدثین کے نزدیک ان کی روایات مستند و معتبر

۱؎ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۷۔ ۲؎ ایضاً ج ۸ ص ۳۷۶۔

مانی گئیں، البتہ دوسرے بہت سے ایمہ حدیث کی طرح جرح و تعدیل کے اصول پر ان کو بھی پرکھا گیا، اکثر ایمہ حدیث کے نزدیک ابو معشر صدوق و ثقہ اور کثیر الحدیث محدث ہیں اور بعضوں نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، کچھ علماء نے تفصیل سے کام لے کر کہا ہے کہ ابو معشر کے خلاف فلاں استاد کی مرویات ضعیف یا منکر ہیں، محتاط علمائے حدیث نے ان سے سند احادیث کی روایت میں احتیاط کی ہے، کیونکہ وہ صاف اور صحیح طور سے سند بیان نہیں کر سکتے تھے، امام احمد بن حنبل نے ان کے متعلق کہا ہے:

کان صدوقاً لکنه لا یقیم الاسناد لیس بذاك[1]	وہ صدوق تھے، مگر اسناد کو صاف و صحیح طور پر بیان نہیں کرتے تھے۔

لیس بذاك کی اصطلاح ایمہ جرح و تعدیل کے نزدیک جرح کے پانچویں درجے پر ہے اور اس کے باوجود حدیث مقبول ہوتی ہے[2]۔

ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ میں پہلے ابو معشر کی حدیث سے گھبراتا تھا، مگر جب میں نے دیکھا کہ امام احمد ابن حنبلؒ ایک واسطہ سے ان سے روایت کرتے ہیں تو میں نے بھی ان کی حدیث کی کتابت و روایت میں توسع سے کام لینا شروع کر دیا[3]۔ اثرم نے امام احمدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

حدیثه عندی مضطرب لا یقیم الاسناد، ولکن اکتب حدیثه اعتبر به[4]	ان کی حدیث میرے نزدیک مضطرب ہے، وہ اسناد کو ٹھیک طور سے بیان نہیں کرتے ہیں پھر بھی میں ان کی حدیث کو لیتا ہوں اور ان کا اعتبار کرتا ہوں۔

محدثین کے نزدیک مضطرب، وہ حدیث ہے جس کو کوئی راوی بیان کرے اور اسی کو دوسرا راوی

۱؎ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۱ ص ۴۹۴ ۲؎ جواہر الاصول ص ۶۱ بیروت ۳؎ کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۱ ص ۴۹۴ ۴؎ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۰۔

اس کے خلاف بیان کرے، امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی ابو معشر کے شاگرد رشید ہیں، ان کا قول اپنے استاد کے بارے میں یہ ہے:

کان ابو معشر یعرف وینکر[1]	ابو معشر معروف اور منکر دونوں قسم کی حدیثیں روایت کرتے تھے۔

منکر وہ حدیث ہے جس کو غیر ثقہ راوی بیان کرے۔

ان کے تلمیذ امام عبدالرزاق صنعانی نے کہا ہے:

اکثر الناس ضعف ابا معشر و مع ضعفہ یکتب حدیثہ[2]	اکثر علماء نے ابو معشر کو ضعیف کہا ہے، ان کے ضعف کے باوجود ان کی حدیث روایت کی جائے گی۔

ابن عدی نے لکھا ہے:

حدث عنہ الثقات ومع ضعفہ یکتب حدیثہ[3]	ان سے ثقات نے روایت کی ہے، ان کے ضعیف ہونے کے باوجود ان کی حدیث روایت کی جائے گی۔

ایک اور مشہور تلمیذ ابو نعیم فضل بن دکین کا قول ہے:

ھو صالح لین الحدیث محلہ الصدق[4]	وہ صالح، لین الحدیث اور صادق ہیں۔

امام ابو حاتم اور امام ابو زرعہ دونوں نے ابو معشر کو صدوق کہا ہے، ابو زرعہ نے صدوق فی الحدیث کے ساتھ لیس بالقوی بھی کہا ہے، الغرض عام محدثین کے نزدیک ابو معشر صدوق، ثقہ اور صالح ہیں، ساتھ ہی ان کو لین الحدیث، لا یقیم الاسناد اور ضعیف بھی کہا گیا ہے۔

امام بخاری نے ابو معشر کو منکر الحدیث اور ابن سعد نے کثیر الحدیث ضعیف کہا ہے، یحییٰ بن سعید ان سے روایت نہیں کرتے تھے، ان کی تضعیف کرتے تھے، اور ان کا تذکرہ کرکے ہنسا کرتے تھے، ابوداؤد

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل [2] میزان الاعتدال ج ۳، ص ۲۲۹ [3] ایضاً [4] تہذیب التہذیب ج ۱۰، ص ۴۲۱

اور نسائی نے ضعیف کہا ہے، امام یحییٰ بن معین سے ان کے بارے میں کئی طرح سے اقوال منقول ہیں:

(۱) لیس بقوی فی الحدیث (۲) ضعیف، اسنادہ لیس بشیئ یکتب رقاق حدیثہ (۳) لیس بشیئ ابو معشر ریح (۴) ضعیف یکتب من حدیثہ الرقاق وکان امیا یتقی من حدیثہ المسند، یعنی ابو معشر ضعیف ہیں، البتہ ان سے زہد و رقاق کی حدیث روایت کی جائے گی، وہ امی تھے ان کی مسند حدیث سے بچنا چاہیے، ساجی نے بھی کہا ہے کہ ابو معشر منکر الحدیث امی صدوق تھے، البتہ وہ غلطی نہیں کرتے تھے[1]۔ حافظ حدیث، فقیہ اور کتاب المغازی کے مصنف کو اُمّی، اَن پڑھ کے معنی میں کہنا عقل و نقل کے خلاف ہے، زبان میں لکنت اور ضعف حفظ کی وجہ سے احادیث کی سند صحیح اور مستقیم طور سے ادا نہ کرنے سے امی نہیں کہا جا سکتا، امام ابن معین کی طرف اس قول کی نسبت میں ہمیں شبہہ ہے۔

اس سے بڑھ کر ابو معشر کے ایک معاصر نے ان کو تمام زمین اور آسمان والوں سے زیادہ جھوٹا کہا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قائل کو گمنام کر دیا اور ابو معشر کو عزت و رفعت بخشی، یزید بن ہارون کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابو جزء نصر بن طریف کو کہتے ہوئے سنا:

ابو معشر اکذب من فی السماء ومن فی الارض، قال فقلت فی نفسی ھذا علمک بالارض فکیف علمک بالسماء، قال یزید فوضع اللہ اباجزء ورفع ابا معشر[2]	ابو معشر تمام زمین اور آسمان والوں سے زیادہ جھوٹے ہیں، میں نے دل میں سوچا کہ زمین کے بارے میں تمہارا یہ علم ہے، آسمان کے بارے میں تم کو کیسے معلوم ہوا؟ انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابو جزء کو گرا دیا، اور ابو معشر کو اٹھا دیا۔

ابن ابی حاتم نے یزید بن ہارون کا تاثر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

---

[1] تاریخ کبیر، کتاب الجرح والتعدیل، تہذیب التہذیب، تاریخ بغداد، میزان الاعتدال وغیرہ ملاحظہ ہو۔ [2] تاریخ بغداد

ثبت حدیث ابی معشر و ذھب	ابو معشر کی حدیث باقی رہی اور ابو جزء کی
حدیث ابی جزء[1]	حدیث فنا ہوگئی۔

ابو معشر کے متعلق ابو جزء نے یہ بات بغداد میں ان کی مقبولیت و مرجعیت اور دربار خلافت سے وابستگی کو دیکھ کر کہی ہوگی، جس کا وبال ان پر پڑا۔

علماء نے ابو معشر کے بارے میں ان کی مرویات کا تجزیہ کرکے بتایا ہے کہ ان کے فلاں استاذ کی مرویات معتبر و صحیح ہیں اور فلاں استاذ کی مرویات منکر ہیں۔ امام احمدؒ کا قول ہے کہ ابو معشر کی ان احادیث کی روایت کی جائے گی جو انھوں نے محمد بن کعب سے تفسیر میں بیان کی ہیں۔ علی بن مدینی کا قول ہے کہ ابو معشر محمد بن قیس اور محمد بن کعب سے احادیث صالحہ کی اور نافع اور سعید مقبری سے منکر احادیث کی روایت کرتے تھے۔ عمرو بن علی الفلاس نے اسی میں ہشام بن عروہ اور محمد بن منکدر سے ان کی روایات کو بھی شامل کیا ہے۔

ابو نعیم نے کہا ہے کہ انھوں نے نافع، محمد بن منکدر، ہشام بن عروہ، اور محمد بن عمرو سے موضوعات کی روایت کی ہے۔ ابو معشر کی طرف موضوع احادیث کی نسبت ان کے ساتھ سخت ناانصافی ہے، کسی دوسرے نے یہ بات نہیں کہی ہے، اسی لیے حافظ ابن حجرؒ نے ان کا یہ قول نقل کرکے لکھا ہے:

قلت اغمش فیه القول فلم یصب	ابو نعیم نے ابو معشر کے بارے میں بڑی سخت
وصفه[2]	بات کہی ہے، وہ ان کی شناخت نہ کرسکے۔

خلیلی نے کہا ہے کہ ابو معشر کچھ احادیث میں منفرد تھے اور امام شافعیؒ ان سے روایت کرنے سے روکتے تھے۔

محمد بن ابو معشر سندی بغدادی

امام ابو معشر مدینہ میں متاہل زندگی بسر کرتے تھے اور یہاں ان کا خاندان

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱ ص ۴۹۴ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۲۔

رہتا تھا، اولاد و احفاد میں دینی و علمی ذوق تھا، ان کے صاحبزادے ابو عبد الملک محمد بن ابی معشر اجلۂ محدثین سے ہیں، اپنے والد کے علوم کے وارث اور خاتمۃ الاصحاب اور ان کی کتاب المغازی کے راوی ہیں۔

ان کی ولادت مدینہ منورہ میں سنہ ۱۴۸ھ کے حدود میں ہوئی، بارہ تیرہ سال کی عمر تک مدینہ منورہ میں رہے، پھر والد کے ساتھ بغداد چلے آئے، فقیہ مدینہ حضرت ابن ابی ذئب (ابو الحارث محمد بن عبد الرحمٰن بن مغیرہ بن حارث بن ابی ذئب ہشام بن شعبہ قرشی) مدنی متوفی سنہ ۱۵۹ھ اور امام ابو بکر ہذلی اسلمی اخباری بصری) متوفی سنہ ۱۶۷ھ کی زیارت کی تھی۔ اپنے والد سے تعلیم حاصل کی، ان سے کتاب المغازی کی روایت کرکے ان کے خاتمۃ الاصحاب ہوئے، یعنی وہ اپنے والد ابو معشر کے آخری شاگرد ہیں، ان کے علاوہ ابو عبد الرحمٰن نضر بن منصور غزی کوفی اور ابو نوح انصاری سے روایت کی، اور ان سے ان کے دونوں صاحبزادوں داؤد اور حسین کے علاوہ ابو حاتم رازی، محمد بن لیث جوہری، ابو یعلیٰ موصلی، احمد بن علی بن مثنیٰ، امام ترمذی، ابن ابی الدنیا، محمد بن جریر الطبری، ابو بکر بن مجدر، ابو حامد حضرمی اور دوسرے محدثین نے روایت کی۔

محمد بن ابو معشر ائمۂ حدیث کے نزدیک صدوق و ثقہ ہیں، ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، ابو یعلیٰ نے ثقہ کہا ہے، ابن ابی حاتم رازی نے محلّہ الصدق بتایا ہے۔ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے:

شیخ الترمذی صدوق و ثقه	وہ امام ترمذی کے استاذ اور ثقہ ہیں ابو یعلیٰ نے
ابو یعلی واشار ابن معین الی	ان کو ثقہ کہا ہے اور ابن معین نے ان میں
لین فیه۔	لین اور نرمی کا اشارہ کیا ہے۔

ابن معین کے اس اشارہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حسین بن حبان نے یحییٰ بن معین سے محمد بن ابو معشر کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے بتایا کہ محمد بن ابو معشر ہمارے شہر مصیصہ میں ایک مسجد کی بنیاد رکھنے کے موقع پر آئے۔ میں نے حجاج بن محمد الاعور سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے

تھوڑی دیر خاموشی اختیار کی، پھر کہا کہ میں اس سلسلہ میں کچھ کہنا پسند نہیں کرتا ہوں، مگر آپ کے سوال کا جواب دینا ضروری ہے، محمد بن ابو معشر ایک مرتبہ میرے یہاں (بغداد میں) آئے اور مجھ سے ایک کتاب طلب کی جسے میں نے ان کے والد ابو معشر سے پڑھا تھا، انھوں نے یہ مجھ سے لے کر لکھ لی اور مجھ سے اس کا سماع نہیں کیا۔

ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ابو الحسین بن قطان نے محمد بن ابو معشر کو غیر معروف لوگوں میں شمار کیا ہے (و عدّہ ابو الحسین بن القطّان فی من لا یُعرف) یہ ان کا قصور ہے، اس سے تم کو دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، ابو الحسین بن قطان نے مشاہیر کی ایک جماعت کو بھی غیر معروف بتایا ہے، اور ان کی اتباع میں ابو محمد بن حزم نے بھی ایسا ہی کیا ہے، اگر یہ دونوں ایسے لوگوں کو لا یُعرف کے بجائے لا نعرفہ (ہم ان کو نہیں جانتے) کہتے تو بہتر ہوتا، البتہ محمد بن ابو معشر نجیح کے نام سے ایک اور عالم ہیں جن کا تذکرہ ابن عدی نے کہ کے لیس بمعہ ادت لکھا ہے۔

محمد بن ابی معشر کو خلیفہ مہدی ان کے والد کے ساتھ بغداد لایا، جہاں انھوں نے مستقل سکونت اختیار کر کے متاہل زندگی بسر کی، ان کے دو[۲] صاحبزادوں داؤد اور حسین نے بتایا ہے کہ ان کے والد ۲۴۷ھ میں بغداد میں فوت ہوئے، اس وقت ان کی عمر ننانوے [۹۹] سال آٹھ دن کی تھی اور ابن قانع نے کہا ہے کہ وہ ۲۴۴ھ میں فوت ہوئے[۱]

امام ترمذیؒ نے باب ما جاء انّ ما بین المشرق والمغرب قبلۃ میں ان سے یہ روایت کی ہے

حدثنا محمد بن ابی معشر، ناابی	... ...
عن محمد بن عمرو، عن ابی سلمۃ	... ...
عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
صلی اللہ علیہ وسلم ما بین	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

لہ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۲۶، کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ق ۱، ص ۱۱۰، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۴۳، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۸۲

المشرق والمغرب قبلۃ[۱]	مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

اور خطیب نے تاریخ بغداد میں اپنی سند سے ان سے یہ روایت کی ہے:

محمد بن اللیث الجوھری قال	... ...
حدثنا محمد بن ابی معشر المدنی	... ...
حدثنا ابی، عن نافع، عن ابن عمر	حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے
قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ
وسلم کل مسکر خمر وما اسکر	ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور جس چیز کی زیادہ مقدار
کثیرہ فقلیلہ حرام[۲]	نشہ پیدا کرے اس کی کم مقدار بھی حرام ہے

حسین بن محمد بن ابو معشر معشری بغدادی | **محمد بن ابی معشر** کے دو[۲] لڑکوں کا حال کتابوں میں ملتا ہے، حسین اور داؤد، ابو بکر حسین بن محمد ابو معشر سندی بغدادی معشری کی نسبت سے مشہور ہیں، بغداد کے محلہ شارع باب خراسان میں رہتے تھے، انھوں نے اپنے والد محمد بن ابی معشر، اپنے دادا کے شاگرد وکیع بن جراح اور محمد بن ربیعہ سے حدیث کی روایت کی، اور ان سے محمد بن احمد حکیمی، اسمٰعیل بن محمد الصفار، علی بن اسحاق مادرانی، عثمان بن احمد دقاق اور ابو عمرو بن سماک نے روایت کی، امام وکیع سے خصوصی تلمذ و تعلق کی وجہ سے "صاحب وکیع" مشہور تھے، عبد الباقی بن قانع کا قول ہے کہ ابن ابی معشر صاحب وکیع ضعیف ہیں، علی بن المنادی نے کہا ہے کہ ابو معشر مدنی کی اولاد میں معشری شارع باب خراسان میں رہتے تھے، انھوں نے امام وکیع سے حدیث کی روایت کی ہے، وہ ثقہ نہیں تھے، اس لیے لوگوں نے ان سے روایت ترک کر دی، دوشنبہ ۹ رجب ۲۷۵ھ میں انتقال کیا، اسی دن ابو عوف بزوری بھی فوت ہوئے تھے۔

لہ بحوالۂ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۰۹، لہ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۲۷.

خطیب بغدادی نے اپنی سند سے ان سے یہ روایت کی ہے:

حدثنا محمد بن احمد بن ... ...
ابراهيم الحكيمي حدثنا ابو بكر ... ...
الحسين بن محمد بن ابي معشر ... ...
انبانا وكيع بن الجراح عن ... ...
عيينة بن عبد الرحمن بن جوشن
عن ابيه عن بريدة قال قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم عليكم
هديا قاصدا فانه من يشاد
هذا الدين يغلبه.

حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم لوگ دین کے
بارے میں درمیانی روش اختیار کرو، کیونکہ
جو شخص دین سے مقابلہ کرتا ہے، اس کو
دین مغلوب کر دیتا ہے۔

نیز خطیب نے ان کے دو شاگردوں اسماعیل بن محمد الصفار اور عثمان بن احمد الدقاق سے یہ اثر نقل کیا ہے:

حدثنا ابو بكر حسين بن ابي معشر ... ...
حدثنا وكيع عن هشام الدستوائي ... ...
عن قتادة عن الحسن عن قيس ... ...
بن عباد قال كان اصحاب رسول
الله صلى الله عليه وسلم يكرهون
رفع الصوت عند الجنائز و
عند القتال وعند الذكر[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ
جنازہ، قتال اور ذکر کے موقع پر آواز
بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

[1] تاریخ بغداد ج ۸، ص ۹۱

داؤد بن محمد بن ابی معشر بغدادی

ابو سلیمان داؤد بن محمد بن ابی معشر نجیح بن عبد الرحمن نے اپنے والد سے دادا ابو معشر کی کتاب المغازی کی روایت کی ہے، اور ان سے اس کی روایت قاضی احمد بن کامل نے کی ہے۔[1]

ابو معشر کی مسند احادیث

محدثین کی اصطلاح میں مسند ایسی حدیث ہے جس کی سند اس کے پہلے راوی سے آخری راوی تک متصل ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سلسلہ مل جائے، ابو معشر کے بارے میں کئی علمائے حدیث کا قول ہے کہ وہ اپنی مرویات و احادیث کی سند صحیح طور سے بیان نہیں کرتے ہیں، اس لیے ان کی مسند روایات محل نظر ہیں، ان کی چند مروی احادیث و آثار درج کی جاتی ہیں، دو حدیثیں جامع ترمذی میں، ایک سنن ابو داؤد میں اور باقی دوسری کتابوں میں ہیں۔

(۱) سنن ترمذی باب ماجاء ان ما بين المشرق والمغرب قبلة میں ہے:

حدثنا محمد بن ابي معشر نا ابي ... ...
عن محمد بن عمرو عن ابي سلمة ... ...
عن ابي هريرة قال قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم ما بين
المشرق والمغرب قبلة

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مشرق اور مغرب
کے درمیان قبلہ ہے۔

(۲) اور دوسری حدیث باب ماجاء فی حث النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الهدية میں ہے:

حدثنا ازهر بن مروان البصري ... ...
نا محمد بن سواء نا ابو معشر ... ...

[1] تاریخ بغداد ج ۸، ص ۳۷۶

عن سعید عن ابی ھریرۃ عن النبیؐ
صلی اللہ علیہ وسلم قال تھادوا فان
الھدیۃ تذھب وحر الصدر و لا
تحقرن جارۃ لجارتھا ولو شق
فرسن من شاۃ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم لوگ آپس میں
ہدیہ لیا دیا کرو، کیونکہ ہدیہ دل کا غبار ختم
کر دیتا ہے اور ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کیلئے
اگرچہ بکری کی کھر کا ہدیہ ہو، حقیر نہ جانے۔

اس پر امام ترمذیؒ نے لکھا ہے:

ھذا حدیث غریب من ھذا الوجہ
یہ حدیث اس سلسلۂ سند سے غریب ہے۔

غریب اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کو ایک عادل ضابط راوی بیان کرے، اور اس کی حدیث کی روایت کی جاتی ہو۔

اس حدیث کی تخریج امام احمدؒ نے بھی کی ہے[1]

میزان الاعتدال میں اسی سند سے یہ حدیث ہے، مگر اس میں "وحر" کے بجائے "وھن" ہے، اور "فرسن شاۃ" ہے۔

(۳) سنن ابی داؤد "باب اکل اللحم" میں یہ حدیث ہے:

حدثنا سعید بن منصور، نا ابو معشر ... ...
عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن
عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم لا تقطعوا اللحم بالسکین
فانہ من صنیع الاعاجم و انھسوہ

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کھانا کھاتے
وقت گوشت کو چاقو چھری سے نہ کاٹو، کیونکہ
یہ اہل عجم کا طریقہ ہے، بلکہ اس کو منہ سے

[1] تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۱۹۳۔

فانہ اھنأ و امرأ۔
نوچ، یہ زیادہ مزیدار اور لذت دار ہے۔

امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں اس حدیث کا ابتدائی حصہ نقل کرکے اس کو ابو معشر کے منکرات میں شمار کیا ہے[1] میزان الاعتدال میں ہے:

(۴) عبد الرزاق، عن ابی معشر ... ...
عن ابن المنکدر عن جابر مرفوعًا
ان اللہ لیدخل بالحجۃ الواحدۃ
ثلاثۃ الجنۃ المیت والحاج
عنہ، والمنفذ ذلک۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ
ایک حج کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل
کرتا ہے، میت کو اور اس کی طرف سے حج کرنے والے کو
اور اس کی مدد کرنے والے کو

میزان الاعتدال ہی میں اس سے پہلے اس حدیث کا ابتدائی ٹکڑا یوں ہے:

وقد روی عبد الرزاق من طریقہ ... ...
حدیث جابر ان النبی صلی اللہ علیہ ... ...
وسلم قال یدخل اللہ بالحجۃ
الواحدۃ ثلاثۃ الجنۃ[2]۔

اللہ تعالیٰ ایک حج سے تین آدمیوں کو
جنت میں داخل کرتا ہے۔

اس کے بعد ہی امام عبد الرزاق کا یہ قول ہے: اکثر الناس ضعف ابا معشر و مع ضعفہ یکتب حدیثہ[3]۔ مطبوعہ مصنف عبد الرزاق کے ابواب الحج میں یہ حدیث مجھ کو نظر نہیں آئی۔

(۵) میزان الاعتدال میں سعید بن منصور کے حوالہ سے ہے کہ امام ابو معشر نے امام اعمش کے سامنے یہ حدیث بیان کی:

(ابو معشر) حدثنی نافع، عن
ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۲۹۔ [2] ایضًا [3] معارف میزان الاعتدال میں دوسری روایت عبد الحق سے منقول ہے۔

ابن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام وھو شئ
موسیٰ بن عقبۃ عن سالم عن ابیہ مرفوعاً
مثلہ؛[1]

فرمایا ہے کہ جس چیز کا زیادہ حصہ نشہ پیدا کرے اس کا کم حصہ بھی حرام ہے۔

خطیب نے تاریخ بغداد میں اس حدیث کو ان ہی الفاظ کے ساتھ محمد ابن ابو معشر کے ذکر میں محمد بن لیث جوہری کی روایت سے بیان کیا ہے، سنن سعید بن منصور کا مطبوعہ حصہ کتاب الفرائض، کتاب الوصایا اور کتاب الطلاق پر مشتمل ہے، اور یہ حدیث کتاب الاشربہ کی ہے جو اب تک غیر مطبوعہ ہے، اور المنتقی لابن الجارود میں یہ حدیث محمد بن منکدر سے یوں مروی ہے:

عن داؤد بن بکر بن الفرات، عن محمد
بن المنکدر عن جابر بن عبد اللہ
رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ
فقلیلہ حرام۔[2]

... ...
جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس چیز کا زیادہ حصہ نشہ پیدا کرے اس کا کم حصہ بھی حرام ہے۔

(۶) میزان الاعتدال میں ہے:

محمد بن بکار، حدثنا ابو معشر، عن
المقبری، عن ابی ھریرۃ مرفوعاً،
دعوۃ المظلوم مستجابۃ وان کان
فاجراً ففجورہ علی نفسہ۔

... ...
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مظلوم کی دعا مقبول ہے، اگرچہ وہ فاسق و فاجر ہو، اس کے فسق و فجور کا وبال اس کے اوپر ہے۔

---

[1] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۲۹۔ [2] منتقی ابن جارود ص ۲۹۱۔

امام ذہبیؒ نے اس حدیث کے بعد لکھا ہے:

ھذا الحدیث رواہ سفیان الثوری
مع تقدمہ علی ابی معشر[1]

سفیان ثوری نے ابو معشر سے متقدم ہونے کے باوجود ان سے اس کی روایت کی ہے۔

(۷) میزان الاعتدال میں ہے:

ابو الربیع الزھرانی، حدثنا ابو معشر
نجیح، عن سعید بن ابی سعید، عن
ابی ھریرۃ مرفوعاً، لا تقوم الساعۃ
حتی تعبد اللات والعزیٰ قال
ابو ھریرۃ وکانی انظر الی نساء دوس
یصطفقن بالیاتھن علی صنم یقال
لہ ذو الخلیصۃ[2]

... ...
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لات و عزیٰ کی عبادت کی جائے گی، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ گویا میں قبیلۂ دوس کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ذو الخلیصہ نامی بت پر جمع ہیں۔

یہ حدیث اختصار کے ساتھ جمع الفوائد میں یوں آئی ہے:

ابو ھریرۃ رفعہ: لا تقوم الساعۃ
حتی تضطرب الیات نساء دوس
علی ذی الخلیصۃ وذو الخلیصۃ طاغیۃ
التی کانوا یعبدون فی الجاھلیۃ۔[3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ دوس کی عورتیں ذو الخلیصہ سے پٹیں گی، ذو الخلیصہ قبیلۂ دوس کا بت تھا جس کی وہ زمانۂ جاہلیت میں عبادت کرتے تھے۔

(۸) میزان الاعتدال میں ہے:

---

[1] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۲۹ [2] ایضاً [3] جمع الفوائد ج ۲ ص ۴۲۹۔

محمد بن ابی معشر حدثنا ابی
عن المقبری عن ابی هریرة مرفوعًا
لا تقولوا رمضان فان رمضان
اسم من اسماء الله، ولکن قولوا
شهر رمضان.

....
حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان نہ کہو،
کیونکہ رمضان اللہ تعالیٰ کا نام ہے، بلکہ شہر
(ماہ) رمضان کہو۔

ذہبی نے اس کو ابو معشر کی منکر احادیث میں شمار کیا ہے[1]

(۹) ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی نے تاریخِ جرجان میں امام ابوبکر اسماعیلی کے ذکر میں ان کی سند سے ابو معشر کی یہ حدیث بیان کی ہے:

..... حدثنا بشر بن الولید
الکندی حدثنا ابو معشر المدنی
عن نافع، عن ابن عمر قال قال
رسول الله صلی الله علیه وسلم
من جاء منکم الی الجمعة فلیغتسل

....
....
ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص
نمازِ جمعہ کو جائے وہ غسل کرلے۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن مبارک نے کتاب الزہد والرقائق کے باب 'ذکر رحمة الله تبارک وتعالیٰ وجل وعلا' میں ابو معشر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک اثر اور اس کے ضمن میں محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر بیان کی ہے:

اخبرکم ابو عمر بن حیویة، قال
حدثنا الحسین، قال اخبرنا

....
....

[1] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۲۹ [2] تاریخ جرجان ص ۱۶۰۔

عبد الله قال اخبرنا ابو معشر
المدنی قال حدثنی محمد بن کعب
القرظی قال حدثنی عبد الله بن
دارة مولی عثمان بن عفان عن
حمران مولی عثمان بن عفان قال
مرّت علی عثمان فخارة من ماء
فدعا به فتوضأ فاسبغ وضوءه
ثم قال لو لم اسمعه من رسول الله
صلی الله علیه وسلم الا مرة او
مرتین او ثلاثا ما حدثتکم به
انی سمعت رسول الله صلی الله علیه
وسلم یقول ما توضأ عبد فاسبغ
الوضوء ثم قام الی الصلوٰة الا
غفر له ما بینه وبین الاخری۔
قال محمد بن کعب وکنت
اذا سمعت حدیثا عن رجل من
اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم
التمسته فی القرآن فالتمست
هذا فوجدت انا فتحنا لک

....
محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ مجھ سے حضرت
عثمانؓ کے غلام عبداللہ بن دارہ نے حمران
مولیٰ عثمان سے روایت کی ہے کہ حضرت
عثمانؓ نے مٹی کے برتن میں پانی طلب کر کے
اچھی طرح وضو کیا، پھر کہا کہ اگر میں نے اس
حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
ایک یا دو یا تین بار سنا ہوتا تو تم سے بیان
نہیں کرتا، مگر بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بندہ پوری طرح
وضو کر کے نماز پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ
اس نماز اور دوسری نماز کے درمیانی
گناہ کو بخش دیتا ہے۔

محمد بن کعبؓ نے کہا کہ جب میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے کوئی حدیث
سنتا ہوں تو اس کا مطلب قرآن میں تلاش
کرتا ہوں، چنانچہ میں نے اس حدیث کے
بارے میں تلاش کیا تو سورۂ فتح کی یہ آیت پائی

فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ فعلمت ان الله لم يتم عليه النعمة حتى غفرله ذنوبه ثم قرأت الآية التي في سورة المائدة "اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ" حتى بلغ "وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ" فعرفت ان الله لم يتم عليهم النعمة حتى غفرلهم[1]

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ الخ سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذنوب کی مغفرت کرکے آپ پر اتمام نعمت فرمایا، پھر میں نے سورہ مائدہ کی یہ آیت پڑھی" اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ (الی) وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ" تو مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مغفرت کرکے ان پر اتمام نعمت کیا ہے۔

(۱۱) میزان الاعتدال میں ہے:

ابومعشر عن الحويرث قال مكث موسىٰ بعد ان كلمه الله اربعين يومًا لايراه احد الا مات رواه الحاكم في مستدركه

ابومعشر نے حویرث بن ذباب مدنی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ حضرت موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ کے ہمکلام ہونے کے بعد چالیس دن تک جو شخص ان کو دیکھتا تھا وہ مرجاتا تھا، ابوعبداللہ حاکم نے مستدرک میں اس کی روایت کی ہے۔

امام ذہبیؒ نے اس روایت کو بھی ابومعشر کے منکرات میں شمار کیا ہے۔[2]

---

[1] کتاب الزہد والرقائق لابن المبارک ص ۳۱۶ ۔ [2] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۲۹

حضرت مسیحؑ کے بعد نصرانیت کا نیا قالب

از ضیاء الدین اصلاحی

اسلام خداوند قدوس کا برحق دین ہے، اسی کی دعوت تمام انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اس کی روح اور اصل و اساس توحید ہے، جو قرآن مجید کی سب سے اہم اور بنیادی تعلیم ہے، اس نے توحید ہی کے مضمون کو مختلف حیثیتوں اور گوناگوں پہلوؤں سے بار بار بیان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ تمام پیغمبروں کو اسی کی تلقین کی گئی تھی:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء: ۲۵)

اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو میری ہی عبادت کرو۔

انبیاءؑ کی بعثت کی خاص غرض و غایت یہ بتائی ہے کہ:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (نحل: ۳۶)

اور ہم نے ہر امت میں پیغمبر بھیجے کہ خدا ہی کی عبادت کرو اور معبودانِ باطل سے دستکش ہوجاؤ۔

قرآن مجید نے متعدد انبیاءؑ کی زبانی ان کی دعوت کا اہم پروگرام اور خاص مشن یہ نقل کیا ہے کہ:

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔ (اعراف : ۵۹)

اے میرے ہم قوم! اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انبیاء علیہم السلام ہی کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے اس لیے ان کی بعثت بھی توحید کی اشاعت اور شرک کی بیخ کنی کے لیے ہوئی تھی، قرآن مجید نے ان کی بنیادی تعلیم وہدایت کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے :

وَقَالَ الْمَسِيْحُ يَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۔ (مائدہ : ۷۲)

اور مسیح نے کہا : اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، جو کوئی اللہ کا شریک ٹھہرائے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

آگے معلوم ہوگا کہ حضرت مسیحؑ کوئی نیا دین اور نئی شریعت لے کر دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے بلکہ یہود کو تورات کے اصل احکام کی پیروی کی دعوت دینے کے لیے آئے تھے، اور تورات کے احکام عشرہ کی اولین دفعہ توحید کی دعوت اور شرک کی نفی وتردید پر مشتمل ہے، ملاحظہ ہو :

"خدا سے ڈر، اس کی جھوٹی قسم مت کھا اور شرک وبت پرستی سے بچ"۔ (خروج : ۲۹)

تورات کے یہی احکام ووصایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شب معراج میں عطا کیے گئے تھے، فرمایا :

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۔ (بنی اسرائیل : ۲۳)

اور تمہارے خداوند نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

دوسری جگہ ہے :

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْــــًٔا ۔ (انعام : ۱۵۱)

کہو! آؤ میں سناؤں جو چیزیں تم پر تمہارے خداوند نے حرام کی ہیں، وہ یہ کہ تم کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ!

پھر بھلا حضرت مسیحؑ توحید کے بجائے شرک کی دعوت کس طرح دے سکتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلَمَّا جَاۗءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۔ (زخرف ۶۳ و ۶۴)

اور جب عیسیٰؑ واضح نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں، نیز اس لیے کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو انھیں واضح کر دوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو، بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے، پس اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

ایک اور جگہ یہی حقیقت اس طرح بیان ہوئی ہے :

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۔

اور میں تصدیق کرتا ہوا آیا ہوں اپنے سے پیشتر آئی ہوئی تورات کی اور اس لیے آیا ہوں کہ بعض ان چیزوں کو حلال کر دوں تمہارے لیے جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور میں تمہارے پاس خداوند کی طرف سے نشانی لیکر آیا ہوں تو اللہ سے

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۔

ڈرو اور میری اطاعت کرو، بے شک اللہ ہی میرا بھی رب ہے، اور تمہارا بھی رب ہے، پس اسی کی بندگی کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔

(آل عمران: ۵۰-۵۱)

انجیل کے محرف و مبدل ہونے میں کسی قیل و قال کی گنجایش نہیں، علمائے نصاریٰ بھی بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں کہ عہد جدید کے اصلی نسخے معدوم ہو چکے ہیں، علامہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ "یہود تورات کو منزل من اللہ سمجھتے ہیں لیکن نصاریٰ کا انجیل کے بارہ میں یہ دعویٰ نہیں ہے[1]" مگر اس کے باوجود وہ توحید کی تعلیم سے یکسر خالی نہیں ہے، ملاحظہ ہو:

"یسوع نے اس سے جواب میں کہا کہ سب حکموں میں اول یہ ہے کہ اے اسرائیل سن! وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری زبان اور اپنی ساری عقل سے اور اپنی ساری طاقت سے پیار کر۔ اول حکم یہی ہے اور دوسرا جو اس کے مانند ہے یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ، ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں ہے، تب اس فقیہ نے اس سے کہا: کیا خوب اے استاد! تو نے سچ کہا، کیونکہ وہ خدا ایک ہے، اور اس کے سوا اور کوئی نہیں۔" (مرقس ۱۲: ۲۹-۳۲)

متی کی انجیل میں ہے کہ مسیحؑ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا:

"تم ربی نہ کہلاؤ، کیونکہ تمہارا ہادی ایک ہے، یعنی مسیح اور تم سب بھائی ہو، اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمان پر ہے۔" (متی ۲۳: ۸، ۹)

دوسری جگہ ہے:

[1] الملل والنحل ابن حزم ج ۲ ص ۲۔

"تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر! اور اسی اکیلے کی بندگی کر۔" (متی ۴: ۱۰)

نیز:

"یسوعؑ نے اس سے کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے، کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔" (لوقا ۱۸: ۱۹)

پیروانِ مسیحؑ نے حضرت مسیحؑ کو خدا، مظہرِ خدا وغیرہ بنا دیا ہے، مگر وہ خود اپنے قتل پر آمادہ یہودیوں کو مخاطب کر کے اپنی بشریت اور عدم خدائی کا اس طرح اعلان کرتے ہیں:

"..... لیکن اب تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو حالانکہ میں ایک انسان ہوں جو تم لوگوں کے سامنے اس حق کو بیان کر رہا ہے جو اس نے خداوند سے سنا ہے۔" (یوحنا اصحاح ۸: ۴)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ توحید خالص کے داعی تھے، اور یہی نصرانی مذہب کی اصل واساس تھی، نیز اصلی انجیل شرک و بدعت کی تعلیم سے یکسر پاک تھی، محققین علمائے نصاریٰ کا بھی یہی خیال ہے، حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"مسلمان یہود و نصاریٰ سب متفق ہیں کہ آسمانی کتابوں میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے، اور ان میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ مخلوق کے پاس اللہ نے آدمیوں ہی میں سے رسول بنا کر بھیجے تھے[1]۔"

جو مشرکانہ اعمال و عقائد نصرانی مذہب کا جزو ہو گئے ہیں ان کا اس میں کوئی وجود نہ تھا، بلکہ حقیقۃً انجیل ان خرافات سے پاک تھی اس لیے حضرت مسیحؑ کی تعلیم و ہدایت میں بھی شرک و بت پرستی کا کوئی شائبہ نہ تھا، لیکن دنیا کی تاریخ کا یہ نہایت افسوسناک اور بڑا ہی دردناک واقعہ ہے کہ جو ذات گرامی خدائے واحد کی اطاعت و بندگی کی دعوت دینے کے لیے تشریف لائی تھی اور جس نے بار بار واشگاف لفظوں میں یہ اعلان کیا کہ وہ صرف خدا کا رسول اور بندہ ہے، اس کو خود اس کے متبعین اور پیرووں نے

[1] الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ج ۱ ص ۳۹۱۔

اس کی صفائی اور براءت کے باوجود خدا بنا لیا، قرآن مجید میں ہے کہ:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ، تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ، اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ، مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ، فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۔

(مائدہ: ۱۱۶ و ۱۱۷)

اور یاد کرو جب کہ اللہ پوچھے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کے سوا معبود بناؤ؟ وہ جواب دے گا تو پاک ہے، میرے لیے کیسے روا تھا کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے یہ بات کہی تو تو اسے جانتا ہے تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے، پر میں نہیں جانتا جو تیرے دل میں ہے، غیب کی باتوں کا جاننے والا تو بس تو ہی ہے، میں نے تو ان سے وہی بات کہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، اور میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں موجود رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگراں رہا، اور تو تو ہر چیز پر گواہ ہے۔

اس صریح وضاحت کے بعد بھی نصاریٰ نے نعوذ باللہ ان کو خدا کا شریک بنا لیا اور اپنے مشرکانہ عقائد و اعمال نیز اپنے پاپاؤں اور پادریوں کی ایجاد کردہ شریعت اور بدعات کو ان کی جانب منسوب کر دیا، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

"نصاریٰ نے حضرت مسیح کے بعد جو بدعتیں ایجاد کیں ان کی تعلیم نہ حضرت مسیح نے دی تھی، اور نہ اناجیل یا صحف سماوی میں ان کا کوئی ذکر تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ان کے اکابر دین کے نام پر جو کچھ چاہیں ایجاد کریں، انھوں نے اپنے بزرگوں اور پادریوں کو اس کی چھوٹ دے دی تھی کہ وہ اللہ کی شریعت کو اپنی رائے سے منسوخ کر دیں۔"[1] قرآن مجید نے اس کی پرزور تردید کی ہے، فرمایا:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۔

(توبہ: ۳۱)

انھوں نے اپنے علماء و مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا، حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ پاک ہے ان سے جن کو یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ نے اپنی ذات کو نصاریٰ کے شرک سے بری قرار دیا ہے، جس کا خود اصل نصرانی مذہب میں بھی کوئی شائبہ نہ تھا، کیونکہ اللہ نے اپنے رسولوں کو توحید کی تعلیم دینے اور شرک سے منع کرنے کے لیے مبعوث کیا تھا، ارشاد ہے:

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ۔

(زخرف: ۴۵)

اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ہیں ان سے دریافت کر لو، کیا ہم نے خدائے رحمان کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح اور ان سے پہلے کے تمام انبیاء نے صرف ایک خدا کی بندگی کی

[1] الجواب الصحیح ج ۱ ص ۱۰۸

دعوت دی ہے[1] لیکن حضرت مسیحؑ کی واضح تعلیم وہدایت کو نصاریٰ نے بالکل نظر انداز کر دیا اور وہ جادۂ توحید سے منحرف ہوکر کفر وشرک کی وادیوں میں بھٹکنے لگے، اس لیے جب پیغمبر آخر الزماںؐ کی بعثت ہوئی تو آپؐ نے حضرت مسیحؑ کی اصل تعلیم اور سچے نصرانی مذہب کو اختیار کرنے کی تلقین کی، تاکہ وہ توحید کی شاہراہ پر گامزن ہوکر کفر و شرک سے باز آجائیں، مگر انھوں نے بدبختی سے اس زریں موقع کو بھی گنوا دیا اور آپؐ کو نبی ماننے سے ہی انکار کر دیا، حالانکہ آپ کی بشارت خود حضرت مسیحؑ نے بھی دی تھی۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ یَا بَنِیْٓ	اور یاد کرو جب عیسیٰؑ بن مریم نے کہا کہ اے
اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ	بنی اسرائیل میں تمھارے پاس خدا کا بھیجا ہوا
مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ	رسول ہوں، میں تصدیق کرتا ہوا آیا ہوں اپنے
التَّوْرَاۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ	سے پیشتر سے آئی ہوئی تورات کی اور ایک
مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا	پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمدؐ ہوگا،
جَآءَھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا	ان کی بشارت سناتا ہوں، پھر جب وہ
سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔	ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے
(صف: ۶)	تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

ذیل میں نصاریٰ کے ان مشرکانہ عقائد کی تفصیل پیش کی جاتی ہے، جو انھوں نے حضرت مسیحؑ کے بعد اختیار کر لیے تھے۔

تثلیث | نصاریٰ کا نہایت گمراہ کن عقیدہ اور ان کے شرک کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ تثلیث کے گورکھ دھندے میں پڑ گئے اور ایک کے بجائے متعدد الٰہ کو ماننے لگے، ۳۲۵ء میں نیقیہ کونسل میں ان کا جو نیا عقائد نامہ مرتب کیا گیا تھا، اور جواب نصرانی مذہب کا مسلمہ عقیدہ ہوگیا ہے، وہ ان کے اسی مشرکانہ

---

[1] الجواب الصحیح ج ۲ ص ۵۵۔

خیال پر مبنی ہے، ملاحظہ ہو:

"ہم ایمان لائے ایک خدا قدرت والے باپ پر، جو ظاہر اور پوشیدہ چیزوں کا خالق ہے، اور ایک رب یسوع مسیح ابن اللہ پر جو باپ کا اکلوتا بیٹا ہے، عین ذات ہے، اللہ الٰہ ہے، نور نور ہے، عین خدا ہے، مولود ہے مخلوق نہیں، باپ اور اس کا ایک جوہر ہے، اس کی وساطت سے تخلیق اشیا ظہور میں آئی، یعنی جو کچھ آسمان وزمین میں ہے، ہم انسانوں کی نجات کے واسطے اس کا نزول وحلول ہوا، اور وہ انسان بن کر آیا، مبتلائے بلا ہوا اور تیسرے دن پھر اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان پر چڑھ گیا اور اب زندوں اور مردوں کا انصاف کرنے پھر آئے گا۔" (ماخوذ از ڈاکٹر دشکاٹس ہشارک فیہ ص ۴۸، بحوالہ صحف سماوی ص ۵۹۔ نیز دیکھیے الملل والنحل شہرستانی ج ۲، ص ۶۳ برحاشیہ الملل والنحل لابن حزم)

آگے بتایا جائے گا کہ نصاریٰ کب اور کس طرح اس گمراہی میں پڑے، یہاں اس مشرکانہ عقیدہ کی حقیقت ونوعیت واضح کی جاتی ہے۔

نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تین اقنوم کا مجموعہ ہے (۱) باپ (۲) بیٹا (۳) روح القدس[1]

---

[1] اس تیسرے اقنوم کی تعیین میں اختلاف ہے، بعض نے روح القدس کے بجائے تیسرا اقنوم کنواری مریمؑ کو بتایا ہے، اور بعض نے مریم کو بھی ایک مستقل اقنوم مانا ہے، ۱۹۵۰ء میں حضرت مریمؑ کے رفع جسمانی کا عقیدہ بھی وضع کر لیا گیا اور اس کو ماننا بھی نجات کے لیے ضروری قرار دے دیا گیا، اس طرح نصاریٰ تثلیث کے بجائے تربیع کے قائل ہوئے، چنانچہ مسیح پرستی کی طرح مریم پرستی بھی اس وقت مسیحی دنیا میں رائج ہے، مسیحی خدا کی اس کنواری کو مخاطب کر کے دعائیں مانگتے ہیں، ان کے نام پر نذر ونیاز کرتے ہیں گرجاؤں میں ان کی تصویریں آویزاں کر کے ان کے سامنے عبادت کی رسمیں بجالاتے ہیں، نسطوری فرقہ کو خاص اسی مسئلہ میں رومن کیتھولک سے اختلاف تھا، وہ حضرت مریمؑ کی پرستش کا قائل نہ تھا، اسی لیے اس کو قسطنطنیہ سے جلاوطن کر دیا گیا تھا، لیکن مارونی یا مریمی فرقہ نے تیسرا اقنوم روح القدس کے بجائے حضرت مریمؑ ہی کو مانا ہے، علامہ ابن حزمؒ نے عیسائیوں کے ایک فرقہ کا نام بربرانی بتایا ہے، جو مسیحؑ اور مریم دونوں کو خدا سمجھتا تھا۔ (الملل والنحل ج ۱ ص ۴۸)

انھوں نے اس عقیدہ کو فلسفیانہ رنگ دے کر ایک معمّا اور چیستاں بنا دیا ہے، کیونکہ وہ خدا کو تین اقنوم سے مرکب ماننے کے باوجود یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ تینوں حقیقت میں ایک ہی ہیں، باپ، بیٹا اور روح القدس تین۳ جدا جدا اور مستقل اقنوم ہیں، لیکن عالم لاہوت میں تینوں کی وحدت ایک ہی خدا ہے، تین۳ خدا نہیں (الملل والنحل شہرستانی ص ۶۵) تثلیث کا مطلب خود نصاریٰ کی توضیح کے مطابق ان کی کتاب "دعائے عمیم" میں اس طرح درج ہے :

"ہم تثلیث میں واحد خدا کی اور توحید میں تثلیث کی پرستش کریں، نہ اقانیم کو ملائیں، نہ ماہیت کو تقسیم کریں، کیونکہ باپ ایک اقنوم، بیٹا ایک اقنوم اور روح القدس ایک اقنوم ہے، مگر باپ، بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمت ازلی یکساں، جیسا باپ ہے، ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح القدس ہے، باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق اور روح القدس غیر مخلوق، باپ غیر محدود یوں ہی باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق اور روح القدس قادر مطلق، تو بھی تین قادر مطلق نہیں، بلکہ ایک قادر مطلق ہے، ویسا باپ خدا، بیٹا خدا اور روح القدس خدا، بس یہی تین۳ خدا نہیں، بلکہ ایک خدا۔"

گویا خدا جن تین۳ اقانیم سے مرکب ہے، یہ تینوں الگ الگ بھی ہیں اور ایک بھی ہیں، اور تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں اور تینوں مل کر بھی خدا ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ عیسائی الٰہیات میں خدا ان تین صفات کا مجموعہ اور مرکب ہے (۱) اقنوم وجود (۲) اقنوم علم (۳) اقنوم حیات[1]

خدا ہونے میں تینوں اقنوم برابر کے شریک ہیں، لیکن ان کی انفرادی حیثیت کے بارہ میں اختلاف ہے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعۂ خدا، دوسری جماعت کے نزدیک یہ تینوں الگ الگ خدا ضرور ہیں لیکن مجموعۂ خدا کا درجہ ان سے بڑھا ہوا ہے،

[1] الملل والنحل شہرستانی ج ۲ ص ۶۰ و ۶۱ و ۶۵ برحاشیہ الملل والنحل ابن حزم۔

ایک اور جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ تینوں سرے سے خدا نہیں ہیں، خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے۔

ذیل میں ان تین۳ اقنوم کی مختصر تشریح پیش کی جاتی ہے :

پہلا اقنوم تثلیث کا پہلا اقنوم باپ ہے، نصاریٰ کے نزدیک اس سے خدا مراد ہے، اس کو وہ اقنوم وجود سمجھتے ہیں یعنی اس کا وجود کسی اور ذات سے نہیں ہوا ہے بلکہ وہ دوسرے دو۲ اقنوم کا منبع اور سرچشمہ ہے، گویا اس اقنوم کی حیثیت اصل کی ہوئی، کیونکہ بیٹا ازل ہی میں باپ سے پیدا ہوا اور روح القدس کا صدور بھی ازل ہی میں باپ سے ہوا ہے، لیکن روح القدس کا صدور اکیلے باپ ہی سے نہیں ہوا، بلکہ بیٹے سے بھی ہوا ہے، ایک عیسائی فلسفی سینٹ تھامس ایکوناس نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"باپ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنا ہے اور کوئی ایسا وقت گذرا ہے جس میں باپ تھا اور بیٹا نہیں تھا، بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے، اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لیے اصل ہے، جس طرح ذات صفت کے لیے اصل ہوتی ہے، ورنہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے، اور ان میں سے کسی کو کسی پر زمانی اولیت حاصل نہیں ہے۔[1]"

دوسرا اقنوم تثلیث کا دوسرا اقنوم بیٹا ہے، اس سے حضرت مسیحؑ مراد ہیں، جو باپ (خدا) کے اکلوتے بیٹے ہیں، اور اس سے ازل ہی سے عقل کی راہ سے تولد ہوئے، عیسائی الٰہیات میں ان کو اقنوم علم کہا جاتا ہے، اور خدا کے کلام سے بھی ان کی تعبیر کی جاتی ہے۔ نصاریٰ کے خیال میں یہی کلام حضرت مسیحؑ کے جسم سے متحد ہوگیا، اس طرح لاہوت نے ناسوت کا جامہ پہن لیا، اور تین ایک، اور ایک تین کا فلسفہ وجود میں آیا، بیٹے کو خدا کا کلمہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کی راہ سے پیدا ہو کر در اصل خدا (باپ) کا خیال ہے، اور خیال بولے ہوئے کلمہ کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے، ابتدا میں کلمہ تھا، اور خدا کے

[1] بحوالہ مقدمہ اظہار الحق ص ۴۶۔

ساتھ تھا، اور کلمہ خدا تھا، پھر یہی کلمہ نصاریٰ کی نجات کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی جسم میں داخل ہوگیا تھا، جب تک وہ دنیا میں رہے، یہ خدائی اقنوم ان کے جسم میں حلول کیے رہا، جب یہودیوں نے آپ کو پھانسی پر چڑھادیا تو اس وقت یہ خدائی اقنوم ان کے جسم سے علیحدہ ہوگیا، اس کے تین۳ روز بعد آپ دوبارہ زندہ ہوئے، اپنے حواریوں کو ہدایات دیں اور آسمان پر چلے گئے، یہودیوں کی طرف سے آپ کو پھانسی دینے کی وجہ سے تمام نصرانیوں کا وہ گناہ معاف ہوگیا جو حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش کی وجہ سے ان کی پوری نسل کی سرشت میں داخل ہوگیا تھا[1]،

اس کا لب لباب یہ ہے کہ بیٹے سے مراد خدا کی صفت کلام ہے، لیکن یہ انسانوں کی صفت کلام سے مختلف ہے، ایکوِنیاس لکھتا ہے:

"انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی، اسی وجہ سے اس کو انسان کا مولود نہیں کہہ سکتے، لیکن خدا کی صفت کلام ایک جوہر ہے جو خدا کی ماہیت میں اپنا وجود رکھتا ہے، اسی لیے اس کو حقیقۃً نہ کہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے، اور اس کی اصل کا نام باپ ہے[2]"

عیسائیوں کا خیال ہے کہ خدا کی تمام معلومات کا ذریعہ یہی صفت ہے، اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیاء پیدا ہوئی ہیں، یہ صفت باپ ہی کی طرح قدیم اور ازلی ہے، خدا کی یہی صفت یسوع مسیح بن مریم کی انسانی شخصیت میں حلول کر گئی تھی، جس کی وجہ سے یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔ (باقی)

---

[1] یہ تفصیل الملل والنحل ابن حزم اور شہرستانی کی جلد اول و دوم سے ماخوذ ہے۔

[2] بحوالہ مقدمۂ اظہار الحق ص ۴۷۔

تلخیص وتبصرہ

ہجرت کے بارے میں مستشرقین کا موقف

"ستمبر ۱۹۸۱ء میں رابطۂ عالم اسلامی کی کتاب "الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فی کتابات المستشرقین" کے ابتدائی حصہ کی تلخیص شائع ہوئی تھی، اس نمبر میں اس کے بعد کے حصہ کی تلخیص شائع کی جاتی ہے"

مستشرقین کا مطالعہ بڑا وسیع ہے، وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو اپنا موضوع بحث بناتے ہیں تو تاریخی واقعات کے سلسلے میں جدید ادبی انداز سے تنقید بھی کرتے ہیں اور اپنا خاص نقطۂ نظر پیش کرنے سے باز نہیں آتے،

مستشرقین میں بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے پوری سیرت نبویہ پر قلم اٹھایا ہے اور حیات نبوی صلعم کے تمام پہلو پر ولادت سے لیکر وفات تک بلکہ اس کے بعد کے واقعات بھی بیان کیے ہیں، انھیں میں سے ہجرت نبوی صلعم کا مہتم بالشان واقعہ بھی ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا اہم پہلو ہی نہیں، بلکہ اسلامی تاریخ کا بھی ایک اہم حصہ ہے، یہ دعوت اسلامی کا ایک بنیادی مرحلہ بھی ہے اور ایک ایسی تاریخی یادگار بھی جس نے نہ صرف جزیرۂ عرب پر اپنا خاص اثر چھوڑا بلکہ اس کے دور رس اثرات تہذیب انسانی پر بھی پڑے،

بڑی بات یہ ہے کہ مستشرقین اپنے بعض جزئی اختلافات کے باوجود واقعۂ ہجرت کے وقوع پر اتفاق رکھتے ہیں، اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ پوری دنیا میں اپنے ہمہ گیر اثرات کی بنا پر یہ تاریخ

انسانی کا ایک اہم واقعہ ہے ،

کچھ مستشرقین ایسے بھی ہیں جنھیں ہجرت کے بعض واقعات بیان کرنے میں سخت لغزش ہوئی ہے ، حالانکہ وہ واقعات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں ، لیکن انھیں اس پر بڑا تعجب ہے ، ان کے خیال میں یہ ایسے انوکھے واقعات ہیں جو ہجرتوں کی تاریخ میں کبھی رونما نہیں ہوئے ، اپنے اسی خیال کی بنا پر انھوں نے غیر حقیقت پسندانہ خیالات کا اظہار کیا ہے اور ان کی کتابوں میں بے بنیاد باتیں داخل ہو گئی ہیں ، اُن میں سے چند یہ ہیں ۔

(۱) صحابہ کی ہجرت کے بعد مکہ میں کچھ روز رسول اکرمؐ کا قیام ، چنانچہ "ایمن ڈین" اپنی کتاب "حیات محمد" میں کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کے چلے جانے کے بعد اپنے ساتھی ابوبکرؓ وعلیؓ کے ساتھ مکہ میں ٹھہرے رہے حالانکہ وہ اسی وقت جن خطرات میں گھرے ہوئے تھے ، ان سے لاعلم تو نہیں تھے ، باوجودیکہ ابوبکرؓ نے نہایت عاجزانہ درخواست بھی کی لیکن اس صورت میں بھی آپ نے چاہا کہ اپنے ہم وطنوں کو دائرہ اسلام میں لانے کی آخری تدبیر کر لیں ، پھر یہ بھی ہے کہ ہجرت کے وقت نہ ان پر پریشانی تھی اور نہ خوف دہراس کا عالم ۔

(۲) رسول اکرمؐ کے اپنے گھر سے نکلنے کے متعلق روایات کا اختلاف ، ایک روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ اپنے گھر سے نکلے تو اپنے مخلص چچا کے لڑکے علیؓ کو ایک چادر اڑھا کر اپنے بستر پر چھوڑ دیا ، یہ روایت بہت مشہور ہے جس سے آپ کے معجزہ کا بھی اظہار ہوتا ہے ، اس میں بتایا گیا ہے کہ آپ نے آہستہ سے اپنے گھر کا دروازہ کھولا ، قریش مکہ اس وقت آپ کی تاک میں مسلح کھڑے ہوئے تھے ، آپ نے ایک مٹھی خاک لی اور ان کے سروں پر پھینک دی اور وہاں سے اس طرح نکل گئے کہ وہ آپ کو بالکل نہ دیکھ سکے ، اس کا ذکر قرآن کی ۳۶ ویں سورت میں بھی آیا ہے فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (یٰسین) تو ہم نے ان کو اوپر سے ڈھانک دیا اور وہ دیکھ نہ سکے ،

لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت محمدؐ نے دیوار کے اوپر چھلانگ لگائی اور ان کے ایک خادم نے دیوار سے اترنے میں مدد کی ، اس نے آپؐ کے لئے اپنی پیٹھ جھکا کر سیڑھی بنا دی اور پھر آپ اس کے ذریعہ اتر گئے اور اس طرح اپنے مکان سے نکل جانے میں کامیاب ہو گئے ، حالانکہ یہ روایت سراسر جھوٹی ہے ، اور عربی مصادر میں کہیں بھی نہیں پائی جاتی ،

(۳) سراقہ ہجرت سے نہ روک سکا ، ہجرت کے سلسلے میں مستشرقین میں چاہے ڈین ہو یا ہٹی یا اروِنگ سب اس بات پر متفق ہیں کہ سراقہ ہجرت کے اقدام کو نہ روک سکا ، البتہ اروِنگ کہتا ہے کہ رسول اکرمؐ اور حضرت ابوبکرؓ زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ سواروں کا ایک دستہ آگیا اور سراقہ ان کی قیادت کر رہا تھا ، حالانکہ سراقہ تن تنہا تھا ، پھر مہاجرین میں سے کچھ لوگ آئے اور آپ کو اور ابوبکرؓ کو قبا تک لے گئے

ڈین کا خیال ہے کہ پہلی روایت میں جو بات سراقہ کے قول سے تعلق رکھتی ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے ، سراقہ نے کہا کہ میں تھوڑی دیر ٹھہرا پھر اپنے گھر گیا ، اور اپنی لونڈی سے کہا کہ چپکے سے میرے گھوڑے کو وادی میں لے چل ، میں نے ایک غلام کو جو سیاہ فام ، طاقتور اور بہادر تھا ، حکم دیا کہ میرے لیے ایک خچر لائے اور وہاں تک پہنچا دے ، اور پہنچنے کے بعد میرا انتظار کرے ، پھر میں دروازے کے پیچھے سے جھک کر آہستہ نکلا ، میں نے اپنے نیزے کی انی بھی زمین میں گاڑ دی تاکہ اس کی چمک کسی کو دکھائی نہ دے ، اور یہ سب میں نے اس لئے کیا کہ اس کام میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو سکے اور اس کا سہرا میرے سر رہے ،

(۴) غار کے متعلق ڈین کا بیان ، ڈین نے بیان کیا ہے کہ پہلے حضرت ابوبکرؓ تن تنہا غار میں گئے تاکہ اس کے اندر جا کر دیکھ لیں کہ کوئی موذی جانور وغیرہ تو نہیں ہے ، پھر انھوں نے غار سے پتھر کے ٹکڑے لیکر جمع کیا اور اپنے کپڑے میں رکھا اور دور لیجا کر پھینک آئے ، اور ان سوراخوں کو بھی اچھی طرح دیکھ لیا ، جس میں اندیشہ تھا کہ سانپ وغیرہ زہریلے جانور ہوں گے ، اپنے کپڑے پھاڑے اور تمام سوراخوں کو چیتھڑے سے بند کر دیا ، غار میں راحت کے لیے تمام سامان کر چکے تو رسول اکرمؐ اس میں داخل ہوئے کچھ دیر کے بعد رسول اکرمؐ کو گہری

نیند آگئی، آپؐ اپنا سر حضرت ابوبکرؓ کی ران پر رکھ کر سو رہے تھے، اتنے میں ابوبکرؓ کی حالت دگرگوں ہونے لگی، کسی موذی زہریلے جانور کا زہر ان کے خون میں سرایت کر چکا تھا، رسول اکرمؐ نے اپنا لعاب دہن زخم پر لگایا اور تھوڑی دیر اسے سہلایا، فوراً ہی تکلیف اور سوجن دور ہوگئی،

غار میں جب تک رہے ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ جو ان کی بکریاں چرایا کرتا تھا، شام کو آپ کے پاس دودھ اور گوشت لیکر آتا، پھر صبح کو بکریوں کے ریوڑ میں چلا جاتا، چلتے وقت وہ نشاناتِ قدم بھی مٹاتا جاتا،

(۵) رسول اکرمؐ کا مدینہ میں فتحمندانہ داخلہ۔ مستشرقین میں سے بیشتر اس بات پر متفق ہیں کہ انصار نے رسول اکرمؐ کا بڑا پرجوش خیر مقدم کیا، مہاجرین اور انصار آپؐ کے پاس اکٹھا ہو گئے، اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ آپ اُن کے کامیاب قائد ہیں، چنانچہ ھٹیؔ کہتا ہے کہ ہجرت رسول اکرمؐ کی زندگی میں ایک نئے دور کا دیباچہ تھی، اسی سے مکّی دور کا خاتمہ اور مدنی دور کا آغاز ہوتا ہے، کہاں یہ حال تھا کہ آپؐ اپنے شہر میں ایک کمزور اور ناقابل التفات شخصیت تھے اور اب یہ حال ہے کہ یثرب کی سرزمین میں ایک نہایت باعزت رہنما کی حیثیت آپؐ کو حاصل ہوگئی، اسی جگہ سے آپ کی توجہ ایک سیاسی نظام قائم کرنے کی طرف ہوئی، اور آپ نے سیاسی امور کی طرف توجہ دینا شروع کیا، اس کے علاوہ ڈینؔ ہمیں زیادہ تفصیلات بھی فراہم کرتا ہے، اس نے اس سلسلے میں ذرا دقت نظر سے بحث کی ہے، وہ کہتا ہے آپ بنی سالم بن عوف کی زمین سے گزر رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا، اور آپ سواری سے اتر پڑے، آپ نے پہلی مرتبہ نماز جمعہ مدینہ میں ادا کی، آپ کے پیچھے مسلمانوں کی بڑی جماعت نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ صف بستہ کھڑی ہوگئی، نماز ختم ہونے پر آپ مسلمانوں کی طرف مخاطب ہوئے اور انہیں نصیحت فرمائی، پھر آپ ناقہ پر سوار ہو کر یثرب میں فتحمندانہ طور سے داخل ہوئے، قبائل پرا باندھے ہوئے کھڑے تھے، اور ان کے دل جوش و ولولے سے لبریز تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پرجوش استقبال اور خاص طور سے مہاجرین کے ساتھ ان کے

پیرووں کے سلوک سے بہت متاثر ہوئے، آپؐ نے اپنی گہری بصیرت سے انھیں ایک ایسے موثر رشتے میں جوڑنے کی کوشش کی جس سے ان میں جذبۂ رشک و رقابت نہ پیدا ہو سکے،

" اروِنگؔ " نے صرف اس کی تاریخی حقیقت کو پیش نظر رکھا ہے، وہ اس کی تفصیلات میں نہیں گیا ہے، وہ کہتا ہے کہ حضرت محمدؐ کی اونٹنی قصواء بیٹھ گئی، اور چلنے کے لئے تیار نہ ہوتی تھی، اسوقت رسول اکرمؐ کو خیال ہوا کہ قباء میں ٹھہر کر مدینہ میں داخل ہونے کی تیاری کر لیں، اس نے آپ کا مدینہ میں داخلہ یوم جمعہ ۱۶ ربیع اول قرار دیا ہے...... جس دن آپ مدینہ میں داخل ہوئے تو ستر سوار آپ کے جلو میں تھے، ان کے سردار بریدہ رسول اکرمؐ کے محافظ کے طور پر تھے، مدینہ سے تھوڑی دور کے فاصلے پر تھے کہ نئے مسلمانوں کی جماعت استقبال کے لئے جمع ہوگئی، اس وقت تیز دھوپ تھی لیکن لوگ پھیلی ہوئی مٹی پر کھڑے رسول اکرمؐ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، آپ اگرچہ اپنے وطن کو چھوڑ کر نکلے تھے لیکن مدینہ میں داخل ہوئے تو اس شان سے کہ معلوم ہوتا تھا کوئی تاجدار ہے اور کسی فاتح و منصور کا استقبال کیا جا رہا ہے، محسوس ہی نہیں ہوا کہ یہ کوئی مہاجر ہے جو پناہ کے لئے یہاں آیا ہو،

(۶) ہجرت کی اہمیت، ہجرت کی اہمیت کے بیشمار پہلو ہیں، مستشرقین کا قلم اس موضوع پر لکھتے وقت کبھی حقیقت سے قریب ہوتا ہے اور کبھی دور، وہ اس پر کبھی اجمالی طور سے اظہار خیال کرتے ہیں اور کبھی تفصیل سے لیکن ان کی تحریروں کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی اہمیت بہرحال ان کے نزدیک رہی ہے،

(الف) ہجرت سیرت نبویؐ کا سب سے اہم واقعہ، "ڈینؔ" نے بڑے پرزور طریقے سے ہجرت کی اہمیت پر کلام کیا ہے، پہلے تو اسکی پسندیدگی کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے لیکن یہ حیرت اس وقت بالکل ختم ہو جاتی ہے جب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک رسول اللہؐ کی زندگی کا یہ کوئی اہم واقعہ نہیں ہے، اور نہ اسلام کی اشاعت پر اس کا کوئی زبردست اثر پڑا، اس کے خیال میں حضرت محمدؐ مکہ میں بھی رہتے تو بھی دشمنوں کے مقابلے میں آخر کار انھیں کامیابی حاصل ہو جاتی، اسلام آپ کے

ساتھ باقی رہتا اور نہ آپ کے ہم وطن آپ کو تکلیف پہنچاتے اور نہ آپ کی قوم آپ کو وہاں سے نکالتی، اس جگہ رہ کر بھی آپ اپنا عالمی پیغام لوگوں کو پہنچا سکتے تھے اور اسلام کی روشنی پوری دنیا میں پھیل سکتی تھی،

(ب) ہجرت دعوت اسلامی کا ایک اہم مرحلہ ، لیکن "اروِنگ" دعوت اسلامی کے سلسلے میں ہجرت کی اہمیت کا قائل ہے، وہ مسلمانوں کی دلیری اور ان کی عزت و تکریم کے تذکرہ میں کہتا ہے، کہ اس کی وجہ سے اسلام مرکز توجہ بن گیا، مدینہ میں جب حضرت محمد صلعم آئے اور وہاں کے لوگوں نے مدد کی تو وہ آپ کی جانب سے "انصار" کے لقب سے سرفراز ہوئے، دوسری جگہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ یہ ہجرت ہی کا واقعہ ہے جو تاریخ عربی کا سر آغاز بنا، مسلمان اسی بنا پر اس کا احترام کرتے ہیں، اور یہ واقعہ ۶۲۲ء عیسوی میں ہوا،

(ج) ہجرت کی شرعی اور تنظیمی یادگاریں۔ ہٹی ایک ایسا شخص ہے جس نے ہجرت کے بعض دوسرے گوشوں سے بحث کی ہے، اس کے قول کے مطابق ہجرت کے بعد قانون شریعت کا اجرا ہوا، اور مسلمانوں کی حکومتی تنظیم عمل میں آئی، داخلی اور خارجی معاملات طے پائے، اور عالمی طور پر تعلقات کی وسعت ہوئی اسی مدنی دور میں مسلمانوں کی تنظیم ایک عربی قومیت کی شکل میں پایۂ تکمیل کو پہنچی، رسول اللہ صلعم نے یہودیت اور نصرانیت سے تعلقات ختم کر کے از سر نو تعلقات پیدا کئے آپ نے جمعہ کی نماز قائم کی، نرسنگھا اور گھنٹے کے بجائے اذان کا طریقہ جاری کیا، رمضان کے مہینے میں روزے مقرر کئے، قبلہ بیت المقدس سے مکہ کی طرف بدلا گیا، خانہ کعبہ کا حج، حجر اسود کا بوسہ ضروری قرار دیا گیا، مدینہ کی اسی دینی سوسائٹی سے بعد میں اسلامی حکومت کی نشو و نما ہوئی، دین کی اجتماعی اساس قائم ہوئی، مہاجرین و انصار میں بھائی چارگی ہوئی، جزیرۃ العرب کی تاریخ میں یہ پہلی تبدیلی تھی کہ عربوں کی تنظیم ایک ایسے انداز سے ہوئی، جس سے وہ کبھی آشنا نہ تھے، ماضی کی طرح اس کی بنیاد بجائے خون و نسل کے

خالص دین پر رکھی گئی، رشتۂ توحید میں آکر وہ ایک زبردست سیاسی تنظیم بن گئے،

اس نئے دینی ماحول میں نہ تو کاہنوں کی کوئی اہمیت رہ گئی اور نہ مذہبی پیشواؤں کی جیسا کہ عیسائیت میں پاپاؤں کو حاصل ہے،

(د) عربیت سے عالمیت کی طرف ، (۱) فرانسیسی مستشرق "ڈیسن" اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ محمد صلعم کے بارے میں جاننے کی چیز یہ ہے کہ اسلام جو ایک کمزور مذہب تھا ہجرت نبوی کے بعد مدینہ میں اسے زبردست سہارا مل گیا، اس کی حمایت میں چکدار تلواریں بھی تھیں اور دھڑکتے ہوئے دل بھی ان میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ اسلام کی آواز جزیرۂ عرب سے لیکر دنیا کے دور دراز حصوں تک پہنچا دیں، پہلے لوگ مختلف قبیلوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، مگر اسلام نے انھیں ایک رشتۂ اخوت میں جوڑ دیا، ان کے اندر عدل و انصاف قائم کیا جس کی مثال کبھی جزیرۂ عرب کے اندر دیکھنے میں نہ آئی،

اسلام کی بدولت جزیرۂ عرب طاقتور بن کر ابھرا اور عربوں کی شان بڑھ گئی، یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ میں جزیرۂ عرب کا بڑا حصہ اس کا پیرو بن گیا، پھر تو اس کرۂ ارض کے بادشاہوں تک اپنی دعوت پہنچائی، یہ صرف اس لئے کہ یہ دین صرف عربوں کا دین نہیں ہے بلکہ تمام انسانیت کا دین ہے اور پوری دنیا کے لئے آیا ہے،

(۲) انگریز مستشرق ٹامس کارلائل نے اپنی کتاب "ناموران عالم" میں بتلایا ہے کہ ہجرت کی ایک صدی بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ اسلام سارے عالم میں پھیل گیا، اس واقعہ کے بعد حال یہ تھا کہ عرب کا ایک شخص ہندوستان میں ہے تو دوسرا اندلس میں، اسلامی حکومت کے محاسن اور حق و صداقت کی روشنی نصف کرۂ ارض تک پہنچ گئی اور پھر ان میں ایک ایسا ایمان پیدا ہوا جو قوت و حیات کی صورت میں نمایاں ہوا،

(۳) فرانسیسی مستشرق "ڈرمنگھم" اپنی کتاب "حیات محمد" میں ہجرت سے آگے بیعت عقبۂ ثانیہ سے

اپنی گفتگو کا آغاز کرتا ہے بیعت عقبۂ ثانیہ ہی کے وقت یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ بیعت کرنے والے لوگ دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم الشان انقلاب لائیں گے، وقت کبھی سازگار ہوتا ہے اور کبھی ناسازگار، لیکن اصحابِ عقبہ کو شاید اس کا اندازہ نہ تھا کہ ان کا یہ سفر تاریخ عالم کے رخ کو بدل دے گا، تقریباً یہی بات "ار، اف، بودلی" نے بھی اپنی کتاب "حیات محمد" میں کہی ہے، اس وقت دنیا نے اس مذہب کو قابل التفات نہ سمجھا، لیکن مدینہ کی سرزمین میں پہنچتے ہی اس میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے، اور پھر لوگوں نے سمجھا کہ ہجرت کے اندر کیا حقیقت پوشیدہ تھی یہی وجہ ہے کہ رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ کی خلافت کا دور آیا تو آپ نے اس دن کو تاریخ اسلامی کی ابتدا قرار دیا، اور اسی وقت سے دنیا کے تمام مسلمان اپنی تاریخیں ہجری کے حساب سے لکھنے لگے،

(۴) امریکی مستشرق "فیلپ ہٹی" بھی اپنی کتاب "تاریخ عرب" میں ہجرت کی عالمی حیثیت سے بحث کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ ہجرت کوئی ناگہانی واقعہ نہ تھا، بلکہ دو سال کی ایک سوچی سمجھی اسکیم تھی یہ نئے دور کا دیباچہ تھی، مدینہ کی سرزمین سے نکل کر اسلام کی تعلیمات پہلے جزیرۂ عرب کے اطراف تک پہنچیں، پھر مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے بڑے بڑے حصوں تک پھیل گئیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایک حکومت کی بنیاد پڑی جس کے حدود تھوڑے عرصہ میں دور دراز تک وسیع ہو گئے، اس زمانے میں دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں اس سے اچھی کوئی حکومت نہ تھی،

۳۔ مستشرقین کے موقف کا جائزہ:۔ کوئی شخص مستشرقین کے ایجابی اور معتدل موقف کا بغور مطالعہ کرے تو اس کے سامنے بہت سے پہلو آئیں گے، کبھی ان میں دلی مقصد چھپا ہوا ملے گا اور کبھی واضح طور سے محسوس ہوگا کہ وہ علمی اور تاریخی حقائق بیان کریں یا اپنے تاثرات کا اظہار، انھیں بغیر تنقید کے ماننا مناسب نہیں ہے بعض لوگ سرسری نگاہ سے انھیں پڑھتے ہیں تو دھوکہ کھا جاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں تحقیر اور حیرت کے جذبات ملے جلے ہوتے ہیں، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ انصاف سے کام لیں

اور اعتدال کی روش اختیار کریں، وہ جب لکھتے ہیں تو حق اور ناحق دونوں کو شامل کر دیتے ہیں، اس لئے تحقیقی نظر سے مطالعہ کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھیں، ان کی یہ روش صرف رسول اللہ کی شخصیت ہی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اسلام کی تمام مشہور شخصیتوں کے متعلق ان کا یہی رویہ ہے، اس سلسلے میں مندرجۂ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے،

۱۔ مستشرقین انسانی حقائق پر قدرت کے باوجود رسول اکرمؐ کے اوصاف کا ذکر کرتے ہیں، تو ان کا انداز عام تاریخ نویسی سے الگ ہوتا ہے، ان میں اس کے فکر و عقیدہ اور اپنے ماحول کے اثرات بھی کارفرما ہوتے ہیں، وہ تاریخی واقعات کے ذکر میں تو عام پہلو اختیار کرتے ہیں لیکن رسول اللہ کی سیرت جب بیان کرتے ہیں تو ان کا انداز بدل جاتا ہے، اگرچہ عام طور سے ان کا دعویٰ یہی ہے کہ انھوں نے اپنے اگلوں کی پیروی کی ہے اور نہایت انصاف اور غیر جانبداری سے کام لیا ہے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے حالات کے بیان کرنے میں ان کے اصلی مصادر سے رجوع کیا ہے، معقولیت اور منطقی انداز سے ان کے ہر پہلو کی وضاحت کی ہے، ایمانداری اور غیر جانبداری سے اظہار خیال کیا ہے،

بلا شبہ انھوں نے بعض تاریخی حقائق کے اظہار میں ایسی ہی روش اختیار کی ہے چنانچہ ارباب کلیسا کے شاہانہ محلوں اور کاہنوں کے وسیع اور کشادہ مکانات کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ مغربی مصنفوں سے بالکل ہٹ کر لکھا ہے، انھوں نے مغرب کے بااقتدار لوگوں کی کچھ پرواہ نہیں کی ہے، اس قسم کی مثالیں زیادہ تر رینان، ٹالسٹائی، ہیڈلے اور لورود یٹ وغیرہ کے یہاں پائی جاتی ہیں،

۲۔ سیرت نبویؐ کے لئے مخصوص اصول اور قاعدے ہیں:۔ سیرت نبویؐ کے موضوع پر لکھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے سب سے قدیم ماخذ قرآن، حدیث اور تاریخ کو پیش نظر رکھا جائے، واقعات کے سلسلے میں جہاں شک اور خلجان ہو تو روایتوں کے جانچنے کے لیے معیار ہیں، لغت سے واقفیت اور فکر سلیم بھی درکار ہے، یہ ضرور ہے کہ شخصیت کے بارے میں سب کے تاثرات یکساں نہیں ہوتے مگر جب رسولؐ کی

سیرت پر بحث ہو تو ان عوامل اور اسباب کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہیے، جن کی بنا پر معاشرہ کی اصلاح، نیک اور مفید کام انجام پائے اور جب تمام عناصر یکجا پائے گئے تو آپ کو اسلام کی امانت دیکر تمام لوگوں کے پاس بھیجا گیا۔

رسول کی شخصیت کے متعلق مستشرقین کے طریقۂ تحقیق اور اسلوب سے مسلمانوں میں عقاد، زیات، مازنی اور ہیکل وغیرہ خاص طور سے متاثر ہوئے ہیں اور ان کے بعد بھی کچھ لوگوں پر اس کا اثر پڑا ہے لیکن اس سلسلے میں جن اصولوں کی نشاندہی کی گئی ہے، اس سے پہلے مسلمانوں نے اپنی ان کتابوں میں کام لیا ہے جو فن تراجم و رجال سے تعلق رکھتی ہیں،

۳۔ شاطرانہ انداز تحسین :۔ مستشرقین رسول اللہ کی سیرت کے متعلق جو کچھ لکھتے ہیں، اس میں کچھ پہلو مخفی بھی رکھتے ہیں، ان کے سوچنے کا انداز ہر زمانہ میں یکساں رہا ہے، دور وسطیٰ میں بھی اور دور جدید میں بھی، انھوں نے رسول اللہ کی بشریت پر بھی اظہار رائے کیا ہے، اور آپ کی عبقریت کو بھی مانا ہے، لیکن جب نبوت اور رسالت کی بات آتی ہے تو صاف بچ کر نکل جاتے ہیں، اگر اس کے متعلق کچھ لکھتے ہیں تو اس میں گروہی عصبیت موجود ہوتی ہے، وہ ہمیشہ نبوت کے اسرار پر کنایہ اور اشارہ میں گفتگو کرتے ہیں، وہ زیادہ تر رسول اللہ کی شخصیت کو عرب کے ایک ممتاز قائد کی صورت میں پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آپ کی بدولت عرب انسانیت کے مختلف میدانوں میں آگے بڑھے، ترقی یافتہ تہذیب کی قیادت ان کے ہاتھوں میں آئی آپ کے اعلیٰ اور شریفانہ اوصاف کا اثر آپ کے ماننے والوں پر بھی پڑا اور وہ بھی اعلیٰ اوصاف کے مالک بن گئے

ایک طرف سیرت رسول کا یہ انداز ہے، لیکن دوسری طرف جب وہ دوسرے اسلامی موضوعات پر لکھتے ہیں تو ان کا موقف بدل جاتا ہے، حالانکہ جہاں آپ کی شخصیت دوسروں سے بالاتر ہے وہاں آپ کی تعلیمات بھی سب پر فوقیت رکھتی ہیں،

۴۔ انسانی اور تمدنی ترقی کا اقرار :۔ مستشرقین نے ایجابی موقف بھی اختیار کیا ہے، فکری اور

مادی ترقیوں کا جائزہ لیا ہے، اس کے لئے کافی جدوجہد کی ہے، اور اپنی زندگی کا بڑا حصہ مواد کی فراہمی میں صرف کیا ہے، وہ جہاں رسول اللہ کی شخصیت پر اظہار خیال کرتے ہیں وہاں اسلامی فتوحات پر بھی عقلی اور عسکری نقطۂ نظر سے روشنی ڈالتے ہیں، اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فتوحات دنیا کے لیے خیر و برکت کا باعث ہوئیں، بعض نے معرکہ بواتیہ کا جو ۷۳۲ء میں ہوا اس کے ذکر میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اندلس کے عربوں کو شکست اٹھانی پڑی اور اس کے بعد یورپ کی تہذیب صدیوں پیچھے چلی گئی۔

اسی طرح جب رسول اللہ کو ایک اجتماعی مصلح کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں تو آپ کی غیر معمولی شخصیت اور انقلاب آفریں پہلو کا ضرور تذکرہ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ آپ کی بدولت دنیا میں زندگی نے نئی کروٹ لی، آپ نے پرانی دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا، آپ نے عدل و رحمت اور قانون و اخلاق کی بنیادیں استوار کیں،

"لیبری" عرب کے متعلق کہتا ہے کہ اگر عربوں کا نام تاریخ سے حذف کر دو تو یورپ کا دور جدید صدیوں ... پیچھے چلا جائے گا، علم کے تمام میدانوں میں عربوں کی بدولت روشنی آئی، بحث و تحقیق کے منصفانہ اصول قائم ہوئے اور ان کے علماء نے کوئی ایسا دروازہ نہیں چھوڑا جسے انھوں نے کھٹکھٹایا نہ ہو،

۵۔ مستشرقین کے جائزہ میں قابل غور پہلو :۔ مستشرقین کے دلکش اور شیریں اقوال سے متاثر ہو جانا مسلمانوں کی بڑی کمزوری ہے، وہ جب دیکھتے ہیں کہ مستشرقین آپ کے اوصاف نہایت عمدہ انداز سے بیان کر رہے ہیں، اور آپ کو نہ صرف غیر معمولی انسان مانتے ہیں بلکہ مصلحین کی صف میں اولیت کا درجہ دے رہے ہیں تو بہت خوش ہو جاتے ہیں لیکن مستشرقین کی مدح رسول میں بھی ان کا دلی مقصد چھپا ہوتا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ مدح و تعریف کے پہلو سے آپ کے نبی اور رسول ہونے کی اہمیت کو ختم کر دیا جائے اور لوگوں میں آپ کی قائدانہ حیثیت اتنی نمایاں ہو جائے کہ بحیثیت رسول کے آپ نے خدا کی جو تعلیمات بیان کی ہیں، اور ایمان و عقائد اور عبادات سے متعلق جو شرعی احکام دیے ہیں، وہ باقی نہ رہیں،

ان چالاک اور عیار لوگوں میں بعض تو اسلام کے ہمدرد بن کر سامنے آئے ہیں، وہ تمام ممالک اسلامیہ

میں جاتے ہیں تو ان کی پذیرائی ہوتی ہے، یہ لوگ علماء کا لباس زیب تن کر کے بہت سے علمی اداروں میں گھس گئے ہیں، اور اپنی اسی اسکیم کے تحت کام کر رہے ہیں، قاہرہ، دمشق، بغداد اور بیروت کے تحقیقی اداروں کے چوتھائی ارکان اسی قسم کے لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، نمایاں لوگوں میں "مارگیولیتھ" کی کارستانیوں سے کون واقف نہیں، اس نے شعر جاہلی کے پورے ذخیرہ کو مشکوک بنا دیا ہے، اور "ماسینون" نے قرآن کے متعلق لوگوں کے عقائد متزلزل کر دیئے ہیں، تعجب ہے کہ قاہرہ کے عرب ان کے افکار و خیالات سے متاثر نظر آتے ہیں۔

"ژودیمر" اور "لامانس" نے اگرچہ رسول اللہؐ کی بڑی تعریف کی ہے لیکن پڑھنے والوں کو ایسا تاثر دیا ہے کہ آپ محض ایک اعلیٰ درجہ کے لیڈر تھے، اور بحیثیت نبی کے آپ کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اسی طرح قرآن کی تمام خوبیوں کے باوجود یہ نہیں ظاہر ہونے دیا کہ یہ کلام الٰہی ہے اور اللہ کی طرف سے بذریعۂ وحی آپ پر اترا ہے، بہرحال ان مستشرقین کی کتابوں میں رسول اللہ کی تعریف کا بڑا حصہ محض آپ کی قیادت، عبقریت اور معاشرتی اصلاح تک محدود ہوتا ہے، اسے وہ متعدد فصلوں میں بیان کرتے ہیں، لیکن دوسرے پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں،

"ڈرمنگھم" نے اپنی کتاب "حیات محمد" میں خاص طور سے یہی طریقہ اختیار کیا ہے، البتہ "کارلائل" نے اپنی کتاب ناموران عالم میں اس سے کچھ مختلف انداز اختیار کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ دور وسطیٰ میں ایسی دینی عبقریت کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی،

ان کے علاوہ مستشرقین جن باتوں پر اتفاق رکھتے ہیں، ان میں ایک جہاد کا مسئلہ ہے انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا، پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو صرف دفاع حمایت کے لیے وقتی طور پر جہاد کرنا پڑا، آپؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں کے لئے جہاد درست نہیں،

اسی طرح حکومت، زکوٰۃ، شرعی احکام کے نفاذ سے متعلق مسائل میں ایسے خیالات ظاہر کئے ہیں

جن سے مسلمان دین اور اپنے نبی کے متعلق بدظن ہو جائیں، نہ تو دین سے ان کا رشتہ قائم رہے اور نہ اسلامی تعلیمات سے،

اہل علم مسلمانوں کو ان کی سوچی سمجھی اسکیم سے ہوشیار رہنا چاہئے انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ عقیدہ و فکر میں جو گمراہی پھیلانے کی کوشش کی ہے اور مغربیت کے مسموم اثرات ڈالے ہیں، ان سے بچنا چاہئے اس سلسلہ میں اسلامی موضوعات پر جو کچھ لکھا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح معیار اور اصول کے مطابق ہو، اس میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے ایک عام تنقیدی اصول دوسرے خاص تنقیدی اصول حدیث، تاریخ اور ادب سے متعلق جب گفتگو ہوگی تو اس میں نہ اپنی خواہش اور پسند کو دخل دیا جائے گا، اور نہ سابقہ افکار اور موروثی خیالات کو، اس پر جب تنقید کی جائے گی تو نقد حدیث کے جو اصول ہیں ان کو سامنے رکھنا پڑے گا، فن قرأت اور فقہ اللغہ کی واقفیت درکار ہوگی، اور پھر ان سے استنباط کے بعد ہی بات قابل قبول ہوگی، علمائے اسلام نے احادیث کی تنقید کے جو اصول بنا دیئے ہیں ان کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی انھوں نے اپنے اسی اصول کے تحت صحیح اور غلط کو پرکھا ہے، فقہ، حدیث، تفسیر، تاریخ اور لغت کے سلسلے میں اسی اصول سے وہ کام لیتے رہے ہیں یہ نہایت معروف اور متوازن طریقہ ہے اور ایک منصف مزاج شخص کو چاہئے کہ اظہار رائے میں وہ اسی طریقے کو اختیار کرے انحراف، خلط بحث اور تکذیب کا طریقہ نہ اختیار کرے، ہمارے محقق علماء نے ہمیشہ یہی طریقہ اعتدال ملحوظ رکھا ہے، آپ احمد محمود شاکر کا مقدمہ "مفتاح کنوز السنۃ" پڑھیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ انھوں نے "ڈینسنک" کے کارنامے کو بہت سراہا ہے، لیکن کسی موضوع پر اسلامی انسائیکلوپیڈیا میں کسی مستشرق کی تحریر پڑھیں گے، تو آپ دیکھیں گے کہ احمد محمود شاکر نے جگہ جگہ نوٹ لکھ کر اس کی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے، پس یہ دو جدا جدا انداز ہیں،

اسی طرح جب آپ ڈاکٹر عبد الحلیم کی کتاب . . . . یورپ اور اسلام مطالعہ کریں گے

تو اس میں بھی یہی انداز نظر آئے گا۔

"گولڈزیہر" کی مذاہب التفسیر الاسلامی" کا مقدمہ جس کا ترجمہ ڈاکٹر نجار نے کیا ہے، جہاں اسکے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ اول درجے کا کارنامہ ہے، وہاں یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں پچاس غلطیاں ہیں، اور اس کی نہایت اچھے انداز میں تردید بھی کردی ہے،

علماء اسلام نے تنقید کا صحیح رخ اختیار کیا ہے اور بہت سی کتابوں میں ان کا ...... انداز بہت متوازن ہے، "السنۃ و مکانتہا فی الاسلام یعنی سنت اور اس کا درجہ اسلام میں، "والرد علی الادب الجاہلی یعنی ادب جاہلی کی تردید، "ومایقال عن الاسلام" یعنی اسلام کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے،" الاسلام حقائقہ و اباطیل خصومہ یعنی اسلام مجموعہ حقائق ہے، اور اسکا ضد مجموعہ اباطیل، ..... "الاسلام والحضارۃ الاسلامیۃ یعنی اسلام اور اسلامی تہذیب اور "المستشرقون والدراسات الاسلامیہ یعنی مستشرقین اور ان کا اسلامی مطالعہ وغیرہ بیشمار مقالات میں جو عربی رسالوں میں شایع ہوئے ہیں، انھوں نے اسی اصول سے کام لیا ہے۔

(ع۔ پ)

مقالات سلیمان جلد دوم

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ جس میں یورپ و امریکہ کے اسلامیات کے بعض ممتاز مستشرقین کے رد میں بہت ہی معرکۃ الآرا مضامین ہیں، مثلاً محمد بن عمر الواقدی اور سیرت میں علمائے مستشرقین کی ایک نئی غلطی پھر واقدی، امام زہری پر الزام، کتب خانہ اسکندریہ، رومن کیتھولک تاریخ کی چند من گھڑت کہانیاں وغیرہ

قیمت:- ۱۶ روپیے

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

التصویبات لما فی حواشی البخاری من التصحیفات (الجزء الاول) — مرتبہ مولانا عبد الجبار صاحب اعظمی، اخبار سائز کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۴۲ قیمت تحریر نہیں،
پتہ:- شعبۂ نشر و اشاعت، جامعہ مظہر العلوم، وارانسی؛

صحیح بخاری حدیث کی سب سے اہم اور معتبر کتاب ہے، اسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے، یہ اپنی گوناگوں خصوصیات اور اہمیت کی بنا پر ہر زمانہ کے اہل علم کا مرکز توجہ رہی، اور اس کی متعدد شرحیں اور حاشیے لکھے گئے، ہندوستان کے علما بھی اس برکت و سعادت سے محروم نہیں رہے، مولانا احمد علی سہارنپوری فن حدیث کے متبحر عالم تھے، درس و تدریس کے علاوہ کتب حدیث کی تصحیح اور طبع و اشاعت ان کا ایک اہم کارنامہ ہے، ان کی سعی و کاوش کی بدولت حدیث کی کئی کتابوں کے صحیح نسخے چھپ کر عام ہوئے اسی سلسلہ میں بخاری کی تصحیح و تحشیہ کا کام بھی انھوں نے برسوں کی محنت و جانفشانی کے بعد انجام دیا تھا، صحیح بخاری پر ان کے حواشی بہت مقبول ہوئے اور ان سے حدیث کے طلبہ و اساتذہ کو بڑا فائدہ ہوا، لیکن مرور ایام اور بار بار کی طباعت کے بعد ان میں بہ کثرت اغلاط راہ پا گئے تھے، اس لیے مولانا عبد الجبار صاحب نے دقت نظر سے مولانا سہارنپوری کے حواشی کا جائزہ لے کر ان کے اغلاط کی تصحیح کی اور اب افادۂ عام کے خیال سے انھیں شایع کیا ہے لایق مرتب نے یہ مفید اور ضروری کام بڑی محنت اور دلچسپی سے کیا ہے انھیں فن حدیث سے مناسبت بھی ہے اور وہ کئی برس سے صحیح بخاری کے درس و تدریس کی خدمت بھی انجام دے رہے ہیں، زیر نظر کتاب میں صحیح بخاری کی پہلی جلد کے حاشیوں کے اغلاط کی تصحیح درج ہے، دوسری جلد کی تصحیح آیندہ شایع ہوگی، اس میں غلط اور صحیح عبارتیں بالمقابل نقل کی گئی ہیں، اور ہر عبارت کے آگے حاشیے صفحے اور سطروں کی تصریح بھی کی گئی ہے اور ایک خانہ میں ماخذ و مراجع کا ذکر بھی جلد اور صفحات کی تعیین کے ساتھ ہے اگر مختلف ابواب کے زیر عنوان ان کے

اغلاط علیحدہ درج کیے جاتے تو قارئین کو مزید آسانی ہوتی، کتاب کا اخباری سائز ذوق لطیف پر گراں گذرتا ہے، شروع میں محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی کی ایک مختصر تحریر بھی ہے، یہ اس کتاب کی خوبی کی ضمانت ہے۔

آپ حج کیسے کریں:۔ مرتبہ حافظ محمد یونس صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، صفحات ۱۴۴، شایع کردہ حکومت پاکستان وزارت مذہبی امور و اقلیتی امور، اسلام آباد۔

حج اسلام کا اہم رکن ہے لیکن یہ صاحب استطاعت مسلمانوں پر عمر بھر میں صرف ایک ہی دفعہ فرض ہے اور عام عبادتوں کے مقابلہ میں اس کے احکام و مسائل زیادہ ہیں، جو عموماً لوگوں کو مستحضر نہیں رہتے اور اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں سے بھی بھول چوک ہو جاتی ہے، اس لئے حج کے ارکان و مناسک ذہن نشین کرانے کیلئے متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے، جو پاکستان کی وزارت مذہبی امور کی طرف سے شائع ہوئی ہے، یہ نہ زیادہ طویل ہے اور نہ بہت مختصر، اسکی ترتیب اور انداز بیان میں الجھاؤ اور پیچیدگی کے بجائے آسان زبان اور سادہ و عام فہم پیرایہ اختیار کیا ہے، اور گھر سے روانگی سے لیکر مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں قیام تک کی تمام اہم باتیں اور ضروری مسنون دعائیں قلمبند کی گئی ہیں، احرام، عمرہ، حج اسکی قسموں، اسکے جملہ ارکان و مناسک، حج کے خاص دنوں کے اعمال، مدینہ منورہ کی حاضری کے آداب اور وہاں قیام کے معمولات وغیرہ علیحدہ علیحدہ اسطرح بیان کیے گئے ہیں کہ معمولی اور اوسط درجہ کے قاری کو بھی اشتباہ اور دقت نہ ہو، آخر میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی ان جگہوں کا ذکر ہے جنکی عموماً حجاج زیارت کرتے ہیں، اس سلسلہ میں مسجدوں اور اکثر اہم جگہوں کے متعلق مختصر نوٹ بھی دیے ہیں، غرض حج کے متعلق یہ بہت مفید اور معلوماتی کتاب ہے اور گو پاکستانیوں کے لیے لکھی گئی ہے مگر ہندوستانی بھی اس سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن اس میں چند چیزیں نظرانداز ہو گئی ہیں جیسے حج بیت اللہ کے مقدس سفر سے گھر تک واپسی کے متعلق ہدایات اور ضروری اور مناسب زاد راہ کے بارے میں مشورے، جہاز کے سفر کی مشکلات اور ان کا حل وغیرہ، احکام و مسائل زیادہ مستند کتابوں سے لکھنا چاہیے تھا۔

"ض"

جلد ۱۲۸ ماہ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۸۱ء عدد ۵

مضامین